خارؔ دہلوی

خلش

بار اوّل : اکتوبر ۱۹۷۹ء
کتابت : رحمت علی خاں رام پوری
طباعت : جمال پریس، دہلی
سرِورق : ساجدؔ
زیرِ اہتمام : فیرؔوز دہلوی

قیمت: ۲۵ روپے

ملنے کے پتے:
مکتبہ جامعہ، دہلی، نئی دہلی، بمبئی، علی گڑھ
انجمن ترقی اردو، اُردو گھر راؤز ایونیو، نئی دہلی
غالب اکیڈمی، بستی نظام الدین، نئی دہلی
مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات اردو بازار، دہلی

خلش

خارؔ دہلوی

ناشر:

خیبر پبلشرز

لال دروازہ، سرکی والان، دہلی ۱۱۰۰۰۶



اے خاؔر یہ اشعار نہیں نظم کیے ہیں
دل ہدیۂ اربابِ نظر ہم نے کیا ہے

(خاؔر دہلوی)

ترتیب

نمبر شمار	غــزلیات	صفحہ نمبر
١٣٠	عریاں کفِ قاتل میں شمشیر نظر آئی	١٦٦
١٣١	اُترا اُترا سا ہے رنگِ عارضِ گلنارِ دوست	١٦٧
١٣٢	طوق و زنجیر میں یا سمتِ بیاباں گزرے	١٦٨
١٣٣	دلِ حزیں کے لئے ایک مشغلہ بھی ہے	١٦٩
١٣٤	گنہگارِ وفا ہوں لطفِ زنداں لے کے چلتا ہوں	١٧٠
١٣٥	لیے پھرتا ہے آوارہ ہمیں ذوقِ نظر کیا کیا	١٧١
١٣٦	گلے تو لاکھ ہیں اُس مہرباں سے	١٧٢
١٣٧	طوافِ حرم بھی گوارا نہیں ہے	١٧٣
١٣٨	یہ جور میں کیا آپ اضافہ نہیں کرتے	١٧٤
١٣٩	دل پہ صدموں کی یہ بہتات کہاں تھی پہلے	١٧٥
١٤٠	جانِ شیریں لبوں پہ آتی ہے	١٧٦
١٤١	نہ لیں گے کام سجدوں کا جبیں سے	١٧٧
١٤٢	اِدھر لی آخری ہچکی اُدھر بالیں پہ یار آیا	١٧٨
١٤٣	اُس کی وحشت کا نہ ہر ایک سے چرچا کیجے	١٧٩
١٤٤	وا حسرتا وہ اپنی جفا کم نہ کر سکے	١٨٠
١٤٥	صعوبتِ شبِ فرقت کسی کو کیا معلوم	١٨١
١٤٦	دین و دل کھوتے گئے حسن پہ شیدا ہو کر	١٨٢
١٤٧	ہائے رے تلخیاں محبّت کی	١٨٣
١٤٨	وہ جاوداں اگر ہے تو یہ دائمی نہیں	١٨٤
١٤٩	بہار آئی تو جانِ بہار رُوٹھ گیا	١٨٥
١٥٠	مقتل کی طرف آتے ہیں شمشیر تنی ہے	١٨٦
١٥١	جوانی کے چرچے ہیں اہلِ ہوس میں	١٨٧
١٥٢	کمی نہیں ہے بہانوں کی حیلہ جُو کے لیے	١٨٨
١٥٣	ہمیں تو عشق میں بھی زیست کا مزا نہ ملا	١٨٩
١٥٤	اگرچہ وصل کا اقرار بھی ہے	١٩٠
١٥٥	تیری یہ دین بھی کچھ کم نہیں ہے	١٩١
١٥٦	کب ترس کھاتے کوئی کب مری شنوائی ہو	١٩٢
١٥٧	یہ حسینوں پہ پھسلنے کی ہے عادت کیسی	١٩٣

نمبر شمار	غزلیات	صفحہ نمبر

ابوالمعظم نواب مرزا سراج الدین احمد خاں سائلؔ دہلوی



سائلؔ جادو بیاں، شیریں زباں، رنگیں سخن
جس کے دم سے تھیں تر و تازہ روایاتِ کہن
جس پہ دِلّی ناز کرتی تھی وہ ہستی مٹ گئی
خارؔ کے دل سے کوئی پوچھے یہ بستی مٹ گئی

(خارؔ دہلوی)

ابتدائیہ

ہمارے یہاں غزل آئی تو فارسی سے لیکن اس نے آزادانہ اتنی ترقی کی کہ رفتہ رفتہ یہ جملہ اصنافِ سخن میں سے مقبول ترین صنف بن گئی۔ ہر دور میں ممتاز شعرا نے اپنی صلاحیتوں کو غزل گوئی اور اسے انسانی جذبات کا آئینہ بنانے کے لیے وقف کر دیا۔ پچھلے سو سال میں، وقتاً فوقتاً انگریزی تعلیم کے زیرِ اثر غزل کی مخالفت میں آواز اٹھائی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود کہ مخالفین میں بعض بہت با اثر اور اصحابِ علم حضرات تھے، غزل ایسی سخت جان ثابت ہوئی کہ اس کی مقبولیت میں کمی تو درکنار، اس میں کچھ ترقی ہی ہوئی ہے۔ ہے یہ کہ باوجود سے کہ بالعموم غزل میں تسلسل نہیں ہوتا اور اس کا ہر ایک شعر الگ موضوع کا حامل ہوتا ہے، اس میں کچھ ایسی دل کشی ہے کہ لوگ بے اختیار ہمیشہ اس کے گردیدہ رہے ہیں۔

پنڈت رتن موہن ناتھ زتشی خارؔ اس لیلائے سخن کے باوفا شیدائیوں میں سے ہیں۔ انھوں نے اس میں اتنی استواری کا مظاہرہ کیا ہے کہ منہ کا ذائقہ بدلنے کی اور بات ہے ورنہ دائمی طور پر انھوں نے آج تک کسی اور طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ خارؔ صاحب دلی کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے شاعری اور غزل کی گود میں پرورش پائی ہے۔ ان کے والد پنڈت تربھون ناتھ زتشی زارؔ دہلوی مرحوم اپنے عہد کے مشہور شاعر تھے۔ وہ داغ دہلوی کے ممتاز شاگرد تھے۔ خارؔ خود استاد داغؔ مرحوم کے ایک دوسرے شاگرد نواب سراج الدین احمد خاں سائلؔ دہلوی کے حلقۂ تلمذ میں شامل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں دلی کے متعدد دوسرے اساتذہ اور اصحاب سے استفادے کے مواقع بھی ملے ہیں۔ ان کے کلام کا انداز بیان کے

پہلو سے بے عیب ہونا چنداں باعثِ تعجب نہیں بلکہ اگر یہ ایسا نہ ہوتا تو یہ باعثِ حیرت ہوتا۔

غزل بڑی پہلودار صنف سخن ہے۔ اس کی ایمائیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ شعرا نے اس میں تصوف، تاریخ، سیاست جیسے ادق اور نسبتاً خشک موضوعات بھی پوری شگفتگی اور زبان کے رکھ رکھاؤ کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں۔ اگر یہ اُن غیر متعلق اور غیر دلچسپ موضوعات کا حال ہے، تو قیاس کیجیے کہ حسن و عشق کی داستان بتانے میں شعرا نے کیا کچھ گل فشانیاں نہ کی ہوں گی جو غزل کے وجود کی علت غائی تھی۔ خارؔ صاحب نے بھی اسی میدان میں اپنی جولانیاں دکھائی ہیں۔ چند شعر سنیے:

دل کی دل میں ہے، لب کی لب پہ بات
اُف رے تیور نگاہِ برہم کے

قحطِ آدمیت ہے، آدمی کی دنیا میں
آدمی کا رونا ہے، آدمی کا ماتم ہے

کچھ کھوئے کھوئے سا رہنا کچھ بہکی بہکی سی باتیں
کچھ درد سا سینے میں دائم، کیا چیز ہے الفت کیا کہیے!

رات کا کٹنا ہی مشکل تھا، نہ کاٹے کٹ سکی
صبحِ ہجراں کو تو جوں توں شامِ غم تک لے گئے

عیاں ہر برگ و گل سے ہے وہی جانِ بہار اپنا
یہ رنگ و بو کی دنیا، ہے اسی کی بزم آرائی

اس غمِ عشق میں تو زیست ہی دشوار ہوئی
ہم نے مانا کہ خوشی پہلے بھی حاصل تو نہ تھی

مجھے یقین ہے کہ زبان کے پارکھ حضرات خارؔ کے کلام سے لطف اندوز ہوں گے۔

نئی دلی
۱۰ فروری ۱۹۷۹ء

مالک رام

قادر الکلام علامہ پنڈت تربھون ناتھ زتشی زار دہلوی



زار کے بعد کوئی دِلّی میں — عہدِ رفتہ کا ترجماں نہ رہا
یا زمینِ ادب پہ یوں کہیے — کوئی ہم اوجِ آسماں نہ رہا
بادہ خوارِ سخن کہاں جائیں — کوئی مسجودِ میکشاں نہ رہا
اک یہی خشتِ خُم تھی دیرینہ — اب خرابات کا نشاں نہ رہا

تعارف

حضرت خاؔر دہلوی

داؔغ اس صحیفۂ شاعری کا آخری ورق ہیں۔ جس میں زبان و بیان کے کرشمے ہیں اور شوخی و شیرینی سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس اعتبار سے داؔغ کو خاتم الشعرا بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس تغزل میں دہلی کا سوز و گداز نہیں لیکن جذبات ہیں۔ لکھنؤ کا سا تصنع نہیں لیکن شوخی و عریانی ہے۔ زبان کوثر میں ڈھلی ہوئی۔ نک سک سے درست ؎ دیکھ آئینہ کو کہتی تھی کہ اللہ رے میں

داؔغ نے جو خدمت زبان کی انجام دی ہے اس کا عدمِ اعتراف نہ صرف ناسپاسی اور احسان ناشناسی ہے بلکہ تاریخی غلطی بھی ہے۔ یہ لسانی کوششیں ان کے معاصرین کے یہاں بھی نظر آتی ہیں مثلاً امیؔر مینائی اور مضطؔر خیرآبادی کے یہاں۔ یہ سلسلہ اُن کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے بھی باقی رکھا لیکن داؔغ کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اُن کے یہاں زبان بھی ہے اور بیان بھی۔ شگفتہ مضمون بھی اور بات کہنے کا نیا اسلوب بھی۔ یہ خصوصیات داؔغ کے شاگردوں کے یہاں بھی جلوہ گر ہیں۔ سلسلۂ داؔغ کے شاعروں میں حضرت خاؔر دہلوی، تلمیذِ رشید، نواب سائلؔ دہلوی شاگرد فصیح الملک داؔغ دہلوی کی ذاتِ گرامی بھی نمایاں ہے اِس لیے کہ انھوں نے دادا استاد کے خطوط پر چلنے کی کوشش کی اور اُن کے قواعد سے انحراف نہیں کیا۔ وہی مضمون کی شگفتگی ہے، وہی بیان کی لطافت اور زبان کا چٹخارہ۔ وہی پیرا تراشی محاورے، وہی دہلی کا روزمرہ۔ اِس تراشے نہیں جبکہ قواعد و اصول سے

بیگانگی اور زبان سے بے تعلقی عام ہوتی جاتی ہے۔

خار صاحب دہلی کی زبان کو کلیجہ سے لگائے رہے ہیں اور انھوں نے داغ مرحوم کی خصوصیات کو زندہ رکھا ہے۔ اردو جو ہندوستان کی زبانوں میں سربلند ہے اُس کا راز صرف یہ ہے کہ ان استادوں اور شاگردوں نے زبان کے چمن کو خونِ جگر سے سینچا ہے اور اس کے گلدستہ کو سب سے اونچی محراب پر سجایا ہے۔ ایک ایک لفظ اور ایک ایک محاورے کے کھرے کھوٹے کو پرکھا ہے اور جب پورا اطمینان ہو گیا ہے تب اُسے شعر میں سجایا ہے۔

خدا سلسلۂ داغ کے معروف شاعر حضرت خار دہلوی کو زندہ سلامت رکھے اور وہ اردو کی اسی طرح خدمت انجام دیتے رہیں۔ میں داغ اور خار صاحب کا موازنہ کرنا نہیں چاہتا اور نہ رخِ روشن کے آگے شمع رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن خار صاحب کے الفاظ میں یہ ضرور عرض کروں گا۔

آپ کا عکسِ رخ چرا کر بھی
آئینہ آپ سا نہیں ہوتا

دہلی یونیورسٹی دہلی

ڈاکٹر پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

رائے صاحب پنڈت رگھونندن لال درد خسر راقم الحروف



خارؔ دہلوی اور اُن کی شاعری

خارؔ دہلوی کا تعلق دلی کے اس قدیم، معزز اور علمی گھرانے سے ہے۔ جو صدیوں لال قلعے سے منسلک رہا ہے جس نے ہند ایرانی تہذیب کو نہ صرف اپنایا بلکہ اس کی ترقی و فروغ میں نمایاں حصہ لیا۔ اس علمی گھرانے کے بعض افراد شہزادگانِ تیموریہ کے اتالیق رہے تھے۔ بیشتر حضرات کو علمی اور ادبی ذوق ورثے میں ملا تھا۔ چنانچہ خارؔ صاحب کے والد اُردو اور فارسی کے عالم اور ہندوستان کے مشہور شاعر علامہ پنڈت تربھون ناتھ زتشی زارؔ دہلوی تھے۔ اُنھیں نواب مرزا داغؔ دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ خارؔ صاحب کی والدۂ محترمہ بھی شاعرہ تھیں اور بیزارؔ تخلص کرتی تھیں۔ چھوٹے بھائی پنڈت آنند موہن زتشی گلزارؔ کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسکولوں اور کالجوں میں طلبہ کو علم کا بیش بہا خزانہ ملتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان جگہوں کی تعلیم سے زبان اور فنِ شاعری پر قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ طالبِ علم زیادہ سے زیادہ کتابی زبان پر عبور حاصل کر سکتا ہے لیکن سخن فہمی اور سخن وری کے نکات پر قدرت حاصل کرنے کے لیے اساتذۂ فن کی صحبتوں سے فیضیاب ہونا ضروری ہے۔ خارؔ صاحب کی خوش نصیبی ہے کہ پہلے تو انھیں اپنے والد اور پھر نواب مرزا سراج الدین احمد خاں سائلؔ دہلوی جیسے یکتائے زمانہ شخصیتوں سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا جن کا تجربہ یہ ہے کہ اب دلی میں ایسے لوگوں کی تعداد

غیر معمولی حد تک کم ہے جنھیں خارؔ صاحب کی طرح دلّی کی ٹکسالی اردو پر قدرت حاصل ہو۔

خارؔ صاحب حسن و عشق کے شاعر ہیں۔ وہ اپنے تخیل کے پرواز کو محبوب کے حسن اور اپنے عشق تک محدود رکھتے ہیں۔ اگر ان کے کلام میں کہیں غمِ دوراں کا ذکر ہے تو وہ بھی محبوب کے حوالے سے۔ خارؔ مفکر اور فلسفی بن کر مسائلِ کائنات کی گتھیاں سلجھانے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ ہی مصلح بن کر انسانیت کے اخلاق کو درست کرنے کی جد و جہد کرتے ہیں۔ ان کی دنیا بہت محدود ہے۔ اور وہ اس محدود دنیا میں رہ کر اپنی فکر، بصیرت، اور فنی پختگی سے گلزارِ ادب میں نئے نئے پھول کھلاتے ہیں۔

داغؔ دہلوی، نوحؔ ناروی، بیخودؔ دہلوی، سائلؔ دہلوی اور اسی خاندان کے ایک اور اہم شاعر خارؔ دہلوی کے کلام میں عصری زندگی کی دھڑکنیں نہ سہی، لیکن ایسے اشعار تو لاتعداد ہیں جو اپنی صفائی، سادگی اور برجستگی کی وجہ سے لاکھوں انسانوں کی ذہنی آسودگی کا سامان بنتے ہیں۔ میں یہاں ادب برائے ادب یا ادب برائے زندگی کی بحث نہیں اٹھا رہا۔ صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کسی بھی ادب کے لیے غالبؔ کی فکری موشگافیاں قابلِ فخر سرمایہ ہیں تو داغؔ اور ان کے دبستان کے دوسرے شاعروں کے وہ اشعار بھی کم اہم نہیں ہیں جو حسن و عشق سے متعلق ہیں اور جن کی بنیاد سادہ، پرخلوص اور سچے جذبات پر ہے۔ خارؔ صاحب کے یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

بات معشوق کی جب دل کو کوئی لگتی ہے
خود بخود اُمڈا چلا آتا ہے طوفانِ غزل

دنیا کے ہیں، نہ دین کے، دلبر کے ہو گئے
ہم دل سے کلمہ گو کسی کافر کے ہو گئے

اور الٹا یہ تو رسوائی کا ساماں ہو گیا
چاکِ پیراہن رفو ہو کر نمایاں ہو گیا

عمر گزری ہے نازنینوں میں   پہلوئے گل میں خار ہوتا ہے

دل پہ صدیوں کی یہ بھٹا جب کہاں تھی پہلے   ہاں مگر تم سے ملاقات کہاں تھی پہلے

مجھے تسلیم ہے کہ ان اشعار میں تفکر اور فلسفیانہ ژرف نگاہی نہیں ہے لیکن کیا ان اشعار میں لطفِ زبان اور حسن محاورہ نہیں ہے۔ کیا یہ زبان سانچے میں ڈھلی ہوئی نہیں معلوم ہوتی اور کیا اپنی سادگی اور بیان کی برجستگی اور طراری کی وجہ سے یہ اشعار ایک دم دل کو نہیں چھوتے، اور کیا یہ مصرعے:

ع ہم دل سے کلمہ گو کسی کافر کے ہو گئے

ع پہلوئے گل میں خار ہوتا ہے

ع چاکِ پیراہن رفو ہو کر نمایاں ہو گیا

ایک دم ہماری یادداشت کا حصہ نہیں بن گئے۔ اردو میں جو اشعار یا مصرعے ضرب المثل بنے ہیں اور جن کا ہماری روزمرہ کی زندگی میں بہت استعمال ہوتا ہے۔ ان میں بیشتر تعداد ان اشعار کی ہے جو حسن و عشق کے موضوع پر کہے گئے ہیں اور جن کی اصل خوبی روزمرہ اور محاورے کا برجستہ استعمال ہے۔

انسان نے جب پہلی بار شعور حاصل کیا تھا تو جو خیالات اور احساسات پہلی بار اس کے ذہن میں آئے تھے۔ ان میں حسن و عشق کے معاملات ہی تھے۔ کیونکہ حسن و عشق کا جذبہ اور جنسی احساس انسان کے شعور سے پہلے وجود میں آیا تھا۔ اس عہد کے انسان نے مخالف جنس کے بارے میں جو محسوس کیا تھا، بات آج بھی اس سے آگے نہیں بڑھی لیکن لاکھوں برس سے انسان طرح طرح سے اس بنیادی احساس کی ترجمانی کر رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں سمجھ لیجیے کہ میر اور سودا اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر چکے تھے۔ اس کے باوجود ہر دور میں اردو شاعروں نے ندرتِ بیان اور جدتِ طبع سے اس موضوع میں

تازگی اور شگفتگی پیدا کی۔ خار صاحب بھی اپنے منفرد احساس اور اظہار سے کیفیاتِ عشق کو پُر کیف بناتے ہیں۔ وہ جوانی اور سرمستی کے شاعر ہیں۔ ان اشعار کی دلکشی، رنگینی اور ندرت تو ملاحظہ کیجیے:

ہے جہاں تک نگاہ کی پرواز — حسن ہی حسن ہے کرشمہ ساز

آپ کا عکسِ رخ چرا کر بھی — آئینہ آپ سا نہیں ہوتا

بہر صورت ہیں ہم شیرینیٔ گفتار کے صدقے — تیرے اقرار کے صدقے، تیرے انکار کے صدقے

ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے، سرکارِ حسن و شباب — آپ دو دن کی جوانی پر عبث مغرور ہیں

اُبھارا جب کبھی شوخی نے ان کو — حیا نے بات کاٹی ہے وہیں سے

ہم نے اُن سے کہا کہ مرتے ہیں — بولے افسوس انتہائی ہے

خار صاحب کی شاعری کی بنیاد خارجیت پر ہے اور خارجیت کا یہ دائرہ حسن و عشق تک محدود ہے۔ ان کے ہاں معاملہ بندی ہے لیکن ایسی نہیں جس میں برہنگی، ابتذال یا عریانیت ہو۔ وہ محبوب سے کچھ مطالبہ کریں اُن کا لب و لہجہ مہذب اور شائستہ رہتا ہے۔ ذرا دیکھیے:

دیکھیے تو کوئی حرفِ تمنا پہ بگڑنا — سچ مچ ہی انہیں وصل سے انکار ہو جیسے

جوانی کے چرچے ہیں اہلِ ہوس میں — حضور آ نہ جائیں کہیں اُن کے بس میں

بے صبر ہو کے میں نے بڑھایا جو دستِ شوق — بولے یہ عاشقی نہیں، دیوانہ پن ہوا

جوانی آپ کی صد غیرتِ باغ و بہار آئی — مجسم ہو گئے گویا رحمتِ پروردگار آئی

عقیدت اس کو کہتے ہیں، عقیدت کم نہیں ہوتی — تیرے الطاف کم ہوں، میری چاہت کم نہیں ہوتی

میں نے خار صاحب کا پورا کلام پڑھا ہے لیکن مجھے ایک شعر بھی ایسا نہیں ملا جس کا لب و لہجہ غیر مہذب اور غیر شائستہ ہو۔ خار صاحب اپنے عشقیہ جذبات اور محبوب دونوں کا احترام کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے ہاں تمنائے وصل میں تقدس ہے

ہوس نہیں۔ وہ محبوب سے چھیڑ چھاڑ بھی کرتے ہیں تو تہذیب کے دائرے میں رہ کر۔

کسی بہانے سے دشمن کو ٹالیے صاحب — نہ آستین میں یہ سانپ پالیے صاحب

چاہتا ہے دل کہ کچھ یوں پیار کی باتیں کریں — اُن کو چھیڑیں اُن سے کچھ تکرار کی باتیں کریں

خار صاحب دبستانِ داغ سے تعلق رکھتے ہیں اور داغ وہ شاعر ہے جس نے اقبال جیسے شاعر کو متاثر کیا تھا اس لیے کیسے ممکن تھا کہ خار کے بعض اشعار پر داغ کی گہری چھاپ نہ ہو۔ ان اشعار پر داغ کا دھوکا ہوتا ہے:

لیجیے مان لیا، ہم ہی خطا وار سہی — آپ ہی سچے ہیں، اب غصہ تو ٹھنڈا کیجیے

ختم ان پہ ہی شیرینیِ گفتار ہو جیسے — انکار میں وہ لطف کہ اقرار ہو جیسے

یار خوابیدہ ہے یوں فتنۂ محشر کی طرح — آپ سو بھی نہ سکوں اس کو جگا بھی نہ سکوں

نہیں آئے اگر دشمن کے گھر سے — تو یہ رو بھی ہنسی، جھوٹی قسم کیا

نور ہی نور تھا اس کے لب بام آتے ہی — ماہِ نو کٹ سا گیا ماہِ تمام آتے ہی

چند آنسو زیرِ مژگاں ایک آہِ ناتمام — قصۂ ہجراں اب اس سے مختصر ہوتا نہیں

یوں تو ہر ایک ادا پر ہم سو جان سے صدقے ہوتے ہیں

کس بات پہ دل دے بیٹھے تھے اب اتنا ہم کو یاد نہیں

میرے کاشانے کی جانب کیوں گزر ہوتا نہیں — وہ گھڑی پل بیٹھنے میں کوئی ڈر ہوتا نہیں

احترامِ شیخ و پاسِ پیرِ میخانہ بھی ہے — جامِ مے بھی ہاتھ میں تسبیحِ صد دانہ بھی ہے

یہاں کی رسم ہی ہے، یہ کوئے جاناں ہے — کہ اک بلا سے چھوٹیں تو دوسری مل جائے

اب چند ایسے اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔ جن میں دلی کی ٹکسالی زبان ہے۔ روزمرہ اور محاورے کا لطف ہے۔ اب وہ نسل ختم ہوتی جا رہی ہے جسے زبان پر ایسی قدرت حاصل ہے:

سنِ شعور آیا تو چپ لگ گئی انہیں — آئی زبان منہ میں غائب دہن ہوا

جو چاہو پھر تو کہتے رہو سچ برحق — کلیجا چاہیے اس بت سے دو دو کرکے لیے

لو آؤ اِسی بات پر عہد کرلیں، ہمارے ہوئے تم، تمہارے ہوئے ہم
نہیں تم زباں سے اگر اپنی پھرتے، تو پھر کیوں ہے یہ آنا کانی، کہو تو

بتاتا تو ہوں بات میں اپنے دل کی مگر بات پھر میری ہیٹی نہ کرنا
میں خود دار ہوں، ضبط ہے میرا شیوہ، سناؤں میں اپنی کہانی، کہو تو

یہ اور بات ہے کہ تمھیں کد ہے خارؔ سے ورنہ وہ آدمی تو بظاہر بُرا نہیں
دو قدم بھی نہ چلا ہو گا کہ دل بیٹھ گیا خارؔ اٹھا تھا تیری بزم سے کچا ہو کر

خارؔ صاحب تقریباً پچاس سال سے شاعری کر رہے ہیں۔ انہیں وہ شہرت اور مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جس کے وہ مستحق تھے۔ میرے خیال میں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اپنے استاد سائلؔ دہلوی کے انتقال اور بعد میں ۱۹۴۷ء میں دلی کی ادبی محفلوں کی برہمی کی وجہ سے وہ تقریباً گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کی وضع قطع ہند ایرانی ہی رہی۔ تمام ادیبوں اور شاعروں سے ان کے مخلصانہ تعلقات رہے۔ لیکن شعر و شاعری کو انھوں نے اپنی ذات تک محدود رکھا۔ وہ ادبی رسالوں میں چھپنے کے شوقین نہیں۔ مشاعروں میں شرکت نہیں کرتے۔ گویا تقریباً گمنامی کی زندگی گزارتے ہیں۔

ان کے کلام کا مطالعہ کرنے والے میرے اس خیال سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ ان کی شاعری ہماری خاص توجہ کی مستحق ہے۔ کیونکہ سانچے میں ڈھلی ہوئی زبان، نوک پلک سے درست، محاورے اور روزمرہ، حسن و عشق کے معاملات میں متانت کے ساتھ شوخی، مرزا داغؔ دہلوی کا شیوۂ گفتار یہ سب ہی کچھ اُن کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ آخر میں صرف اتنا اور عرض کروں گا کہ خارؔ صاحب دبستانِ داغؔ کے آخری اہم شاعر ہیں۔ اس حیثیت کو ذہن میں رکھ کر ہمیں اُن کے کلام کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

انجمن ترقی اردو، نئی دلی ڈاکٹر خلیق انجم

پنڈت رتن موہن ناتھ زُتشی، خارؔ دہلوی



امینِ غزل

غزل، محبت والوں کی زبان ہے۔ دِلّی والوں نے محبت کو زندگی کرنے کے فن سے تعبیر کیا اور غزل کو اظہار کا معتبر وسیلہ بنایا۔ میرؔ کے دل کا دھواں دِلّی سے اٹھ کر اُفقِ اردو پر چھا گیا۔ غالبؔ کے شہ پارہ ہائے فکر، ذات کی گرہیں کھولتے ہوئے انکشافِ حسن و حیات کی وسعتوں میں پھیل گئے۔ یہ سلسلہ جب داغؔ تک پہنچا تو انھوں نے غزل میں معاملہ بندی، شوخی اور خوش مذاقی کے عناصر داخل کرکے اسے زندہ مزاج لوگوں کی زندگی کے قریب کر دیا۔ غزل کے اس تہذیبی سفر میں خارؔ دہلوی کا نام تغزّل کا امانت دار بن کر سامنے آتا ہے۔ —— اُن کی خوش بیانی اپنی مثال آپ ہے۔ اُن کے کلام میں گل ہائے مضامین کی بہار ہزار رنگ سے جلوہ گر ہوتی ہے۔ اُن کی غزل دل کے معاملات کی ایسی دستاویز ہے، جس کے بیشتر اشعار میں خارؔ صاحب کی شفق نگاہی اپنا جادو جگا رہی ہے:

ہے جہاں تک نگاہ کی پرواز ... حسن ہی حسن ہے کرشمہ ساز

خود فراموشی کی کیفیت، سرشاری اور دیوانگیِ سفر کی سرمستی ان کے کلام کی نمایاں خوبی ہے:

رہا یہ بھی نہ ہم کو یاد، ہیں کس جستجو میں ہم
بیابانِ جنوں میں ایک ایسا بھی مقام آیا

جنوں کو وسیلۂ تکمیل نہ سمجھ کر اسے نشۂ تکمیل تصور کر لینا، اُن کی متغزل رسی کا ثبوت

بہم پہنچاتی ہے۔

روایتی عشق کے برعکس، اُن کے کلام میں ایسے موڑ آئے ہیں، جہاں عاشق کا کردار مفروضات سے آزاد، ہزار بار کے دہرائے ہوئے شکووں، گلوں سے الگ اپنی پہچان قائم کراتا ہے۔

ہم پر کرم تھا دوست کا، اور بے حساب تھا
اب کیا کہیں، مشاہدہ تھا وہ کہ خواب تھا

عشق خوددار کو نہیں منظور — حالِ دل ہو کے بے قرار کہیں

ایسا بھی نہیں کہ خار صاحب کے یہاں عاشق اور محبوب کے مثالی کردار غائب ہو گئے ہوں لیکن انھوں نے دل کے باب میں معاملات کی باریکیوں اور گہرائیوں کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ بلکہ انھوں نے اپنی ہر دھڑکن کو تہذیبِ عشق کے سلسلے کی ایک کڑی بنا کر پیش کیا ہے۔

اے خار! ہم تعلقِ خاطر کا، یار سے — کیا مانگتے ثبوت، خلوصِ جفا کے بعد

خار دہلوی کی غزل سوزِ عشق اور سازِ زندگی سے عبارت ہے۔ اُن کے یہاں دل کی درد آشنائی اور فکر کی شوخ بیداری اپنے اثر اور گداز سے پڑھنے والوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتی چلی جاتی ہے۔ انھوں نے محبت کو جادو بنا کر اپنے اشعار میں سمویا ہے۔ باوصف اہلِ زبان ہونے کے انھوں نے زبان کو اظہار بنانے کا مرحلہ بڑی کامیابی کے ساتھ طے کیا ہے۔ اُن کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے روایت کے خزانے سے مہر ثبت سکوں کا انتخاب نہیں کیا بلکہ روایت کے باطن میں سے اُن سنسناتے ہوئے رویّوں کو چُنا ہے جن سے ہر لمحہ بدلتی زندگی کا نیا احساس تلاش کیا جا سکے۔ اس نئے احساس کے وسیلے سے نئی زندگی کی تہ داریوں کو سمجھا اور پرکھا جا سکے۔ خوشی کی بات ہے کہ اک عمر کی سیاحی کے بعد ان کے خیالات میں کہیں انجماد نہیں آیا۔ وہ ہر لمحہ نئے منظر، نئے موڑ اور نئے مقام کے آرزومند

نظر آتے ہیں۔ دائم جوان رہنے والی نظر، پیہم زندہ رہنے والا احساس، مسلسل سرگرم رہنے والا تجسس، ورق ورق الٹتی ہوئی دل کی کتاب، اُن کی زندگی کی دل چسپ علامتیں ہیں۔

شباب، حسن، نزاکت، خم و گداز، لچک　　ترا بدن ہے کہ لکھی ہے مثنوی ہم نے

خاؔر صاحب کے لیے شاعری، شعور سے کہیں زیادہ شعار ہے۔ ان کی زندگی اسی سے عبارت ہے۔ حواس اِس قدر بیدار ہیں کہ شوخ دلی اور شائستہ خیالی کا کوئی پہلو اُن سے نظر انداز نہیں ہو پاتا۔ تعلقات کی نرمی اور گرمی، دونوں باتیں اُن کے سامنے رہتی ہیں۔ وفا اور جفا، ستم اور کرم، وصال اور فراق کے مضامین کے با وجود ان کی نظر میں ایسا مقام بھی ہے جو ان دونوں کیفیتوں سے ماورا بھی ہے۔

دین و دل، ہوش و خرد، صبر و سکون، ضبط و قرار
خاؔر سرمایہ ہمارا نذرِ جاناں ہو گیا

شہرِ جاناں کی سیاحت میں انھوں نے بہت کچھ لٹایا مگر اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے بہت کچھ پایا بھی ہے۔ ذوقِ جمال کی پاکیزگی، مدعائے دل کے اظہار کی شستگی، لہجے کی وضع داری، غمِ حیات کو غمِ دوست بنا لینے کا فن اور پھر غمِ دوست کو نشاطِ ذات میں ڈھال لینے کا گر، اس طرح اپنی شاعری کا سلسلہ کلاسیکل قدروں سے جوڑنے میں انھیں اپنی فطری صلاحیتوں کے باعث کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

نسبت سے تری غیر بھی اپنا سا لگے ہے　　یعنی غمِ دل، اب غمِ دنیا سا لگے ہے

اور پھر اسی غمِ دنیا کو انھوں نے غمِ دوست بنا لیا۔

خاؔر ہر غم کو مبدل بہ غمِ دوست کیا　　تنگ نائے غمِ ہستی سے غزل خواں گزرے

خاؔر دہلوی، تہذیبِ عشق کے شاعر ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ انھوں نے مسائلِ حیات کی طرف چشم پوشی کی ہے۔ دم بہ دم بدلتا ہوا ماحول، اس ماحول میں بکھرنے والی نئے نئے رنگ کی تصویریں اور ان رنگوں کو بھانے والی

ہواؤں کی جانب انھوں نے اپنے بیدار فکر ہونے کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ انھوں نے ان مسائل کے آگے خود کو زیر نہیں ہونے دیا۔ اُن کے دل میں مایوسی کی کوئی جگہ نہیں۔ وہ سب کچھ دیکھتے ہی نہیں، اُس کا جائزہ بھی لیتے ہیں اور شوخ تفکر کے واسطے سے اپنی بلند حوصلگی اور خود اعتمادی کو بروئے کار لاتے ہیں۔

اسی کا نام رکھا ہے خرد والوں نے فصلِ گل
جنوں پیشہ اسی کو موسمِ زنداں بھی کہتے ہیں

جب جب بھی قتل نامہ مرتب ہوا ہے خارؔ
بس ایک میرا نام رقم ہو کے رہ گیا

خارؔ صاحب پُرگو شاعر ہیں۔ انھوں نے اساتذہ کی زمینوں میں بھی کامیاب غزلیں کہی ہیں۔ زبان وبیان کے جوہر دکھانے کے علاوہ انھوں نے کلاسیکل مضامین کے بعض اُن پہلوؤں کا اس طرح اظہار کیا ہے کہ اُن کی شخصیت کا پرتو صاف دکھائی دیتا ہے۔ اُن کے شعری احساس کی تربیت یقیناً کلاسیکل اقدار کے درمیان ہوئی ہے۔ لیکن انھوں نے ان اقدار میں سے مردہ کیفیات کو خارج کر کے اپنے زندہ اور توانا احساسات کے لیے جگہ نکالی ہے یہی اُن کی پہچان ہے۔

کہیں ایسا نہ ہو شیرازۂ خاطر بکھر جائے
کتابِ دل کے اوراقِ پریشاں دیکھنے والے

آخر میں میں اُنھیں زندگی کی اس کھری کمائی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اُن کے مجموعۂ کلام کو مقبولیت اور پذیرائی کا شرف حاصل ہو۔

آل۔ ایم۔ اکبر بانی

نئی دلّی

۳۱ دسمبر ۱۹۷۸ء

کچھ اپنے بارے میں

یہ نیاز مند قادر الکلام علامہ پنڈت تربھون ناتھ زتشی، زار دہلوی (تلمیذِ ارشد جہاں استاد نواب میرزا داغ دہلوی) کا منجھلا لڑکا ہے۔ ہم پانچ بھائی اور دو بہنیں تھے۔ میرے سب سے بڑے بھائی پنڈت دینا ناتھ زتشی دنیائے ڈرامہ میں بڑی مشہور و معروف ہستی تھے جنہوں نے ایک عمر اسٹیج، ریڈیو، ٹی وی اور فلموں میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ ان کا انتقالِ پر ملال اکتوبر ۱۹۷۷ء میں ۷۶ سال کی عمر میں ہو گیا۔ میرا سب سے چھوٹا بھائی عزیزی آنند موہن زتشی گلزار دہلوی بھی دنیائے اردو ادب میں محتاجِ تعارف نہیں۔

ہمارا خاندان شمالی ہندوستان کے سربرآوردہ کشمیری برہمن علماء کا خاندان ہے جو تقریباً تین ساڑھے تین سو سال قبل دورانِ سلطنتِ مغلیہ کشمیر سے ہجرت کر کے دہلی میں آباد ہوا۔ ہمارے آبا و اجداد اعلیٰ منصبوں پر مامور رہے اور انھیں راجہ، دیوان اور رائے رایاں، کے خطابات سے سرفراز کیا گیا۔ ان میں سے اکثر علاوہ اور ذمہ داریوں کے شہزادگان کے اتالیق بھی رہے۔ انگریزی دورِ حکومت میں بھی ہمارے بزرگ اعلیٰ عہدوں پر سرفراز رہے۔ ان بزرگوں نے سنسکرت، عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں میں یدِ طولےٰ حاصل کیا اور اپنا ایک مقام منوایا۔

یہ ہیچ مدان ۱۵ جنوری ۱۹۱۲ء کو بمقام لاہور پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم دلی رامجس مڈل اسکول، اندرونِ لال دروازہ، بازار سیتارام اور رامجس ہائی اسکول نمبر ۲ دریا گنج دہلی میں پائی۔ بعد ازاں کرسچن کالج، دریا گنج

(جو غالباً اب سری رام کالج آف کامرس، دہلی یونیورسٹی کہلاتا ہے) سے۔ آئی۔ اے (کوم) کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۹۳۳ء کے اوائل میں، بی۔ کوم کی تعلیم کے لیے لکھنؤ یونیورسٹی میں داخل ہو گیا۔ تعلیم سے فراغت پاکر ۱۹۳۶ء میں سنٹرل سکریٹریٹ میں ملازمت اختیار کی اور منسٹری آف ورکس اینڈ ہاؤسنگ میں انڈر سکریٹری کے عہدے تک پہنچ کر جنوری ۱۹۷۴ء میں فائض المرام ہوا۔ میری اولاد میں صرف ایک لڑکی حیات ہے، جس کا نام روہنی ہے۔ وہ ڈاکٹر (ایم بی بی ایس) ہے اور شادی کے بعد بمبئی میں سکونت پذیر ہے۔

چونکہ گھر کا ماحول اسی قسم کا تھا اس لیے صغیر سنی سے ہی اردو اور فارسی شعر و سخن کا ذوق پیدا ہو گیا۔ بچپن کے زمانے میں بھی والدِ محترم کے ہمراہ ادبی و شعری صحبتوں میں شریک ہوتا رہا اور خود بھی کچھ ٹوٹے پھوٹے اشعار موزوں کرنے لگا۔ ۱۴ یا ۱۵ برس کی عمر سے تو باقاعدہ مشاعروں میں اپنا کلام پڑھنا شروع کر دیا۔ اول اول والد بزرگوار سے اور کچھ عرصہ بعد اپنے چچا جان ابوالمعظم نواب مرزا سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی (داماد و جانشین داغ دہلوی) سے مشورۂ سخن کرتا رہا۔ وہ مجھے اپنی اولاد کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ چاہتے تھے اور ۱۹۴۵ء میں ان کے انتقال سے جو میرے دل پر صدمہ گزرا وہ جی ہی جانتا ہے اس کے بعد جو سانحہ اس سے بھی سنگین ثابت ہوا وہ تھی، ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم اور اس سے متعلقہ حادثات۔ خیر بقولِ شخصے ع

شاد باید زیستن، ناشاد باید زیستن

اپنے والد ماجد اور استاد محترم کے علاوہ جن بزرگوں کی صحبت اور شفقت سے مستفید ہونے کا موقع ملا اُن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

پنڈت امرناتھ مدن، ساحر دہلوی۔ پنڈت دینا ناتھ مدن، معجز دہلوی۔ علامہ

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی۔ پنڈت برج کشور زتشی شورہ۔ استاد بیخود دہلوی

آغا شاعر قزلباش منشی چندر بھان کیفیؔ منشی چندی پرشاد شیداؔ منشی پیارے لال رونق لالہ سری رام کھنہ۔ خواجہ حسن نظامی منشی مہاراج بہادر برقؔ حکیم عاقل خاں (حکیم اجمل خاں کے چچازاد بھائی جو میرے استاد کے ہم جلیسوں میں تھے) وغیرہم

جن بیرونی اساتذہ واُدباء کی صحبت اور تربیت حاصل ہوئی، ان میں سرفہرست نام ہیں:

بابائے اردو مولوی عبدالحق، ناخدائے سخن حضرت نوحؔ ناروی، مولانا احسن مارہروی، مولانا سیمابؔ اکبرآبادی، حضرت بزمؔ اکبرآبادی، پنڈت بسمبھو رام، جوشؔ ملسیانی، حضرت فداؔ گلاوٹھی، حضرت قمرؔ بدایونی، خان بہادر رضا علی وحشتؔ کلکتوی وغیرہ۔

ان ادبی ہستیوں کے علاوہ ایک اور بزرگ جن کا مجھ پر کافی اثر پڑا اور جن کا ذکر یہاں نہ کرنا کفرانِ نعمت ہوگا۔ وہ تھے میرے خسر رائے صاحب پنڈت رگھونندن لال درؔ، جو یوپی کے اعلیٰ کشمیری گھرانے کے رکن تھے۔ یہ اگلے زمانے کے نیک لوگوں میں تھے اور سنسکرت، فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں کے عالم بھی۔ آپ یوپی کے مختلف مقامات پر بسلسلۂ ملازمت قیام پذیر رہے اور اواخرِ ملازمت میں بنارس کے ڈپٹی کلکٹر، کلکٹر اور چیئرمین میونسپل بورڈ وغیرہ رہے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ وہ پنڈت مدن موہن مالویہ، ڈاکٹر اینی بیسینٹ وغیرہ کے رفقائے کار میں سے بھی تھے۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی، راج گھاٹ اسکول بنارس نیز مختلف مذہبی اور تعلیمی اداروں کے بھی رکن تھے۔ ان کا شمار بنارس کے محترم بزرگوں اور رؤسا میں ہوتا تھا۔ ان کے بڑے صاحبزادے پنڈت شیونندن لال در بنارس ہندو یونیورسٹی کے رجسٹرار کے عہدے سے ریٹائر ہوکر وہیں مقیم ہیں۔

میرے خسر صاحب میرے ادبی ذوق اور شاعری کے بڑے مداح تھے اور ان کی دلی خواہش تھی کہ میرا مجموعۂ کلام ان کے سامنے ہی شائع ہو جاتا مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور ان کا انتقال ہو گیا ...

ع: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مندرجہ بالا حضرات کے علاوہ جن اساتذہ اور مشاہیر سے ملاقات نصیب ہوئی اور جن کے ہمراہ مشاعروں میں شرکت کے مواقع حاصل ہوئے وہ ہیں:

مولانا آرزو لکھنوی، جناب صفی لکھنوی، جناب ظریف لکھنوی، حضرت جوش ملیح آبادی، حضرت جگر مرادآبادی، جناب بسمل سعیدی، جناب تلوک چند محروم، جناب علی سردار جعفری، جناب اختر الایمان، دیوان رادھے ناتھ گلشن، پنڈت آنند نرائن ملاؔ، پنڈت ہری چند اختر، مولانا انور صابری، مولانا آرا حسنی جناب آفتاب پانی پتی وغیرہ۔

جو شعرا، ادیب اور ادب دوست حضرات دہلی کے رہنے والے ہیں یا کم وبیش دہلی میں مستقل قیام پذیر ہیں اور جن سے مشفقانہ اور برادرانہ تعلقات ہمیشہ قائم رہے اُن کا بھی ذکر یہاں ضروری نظر آتا ہے۔ وہ ہیں جناب مالک رام صاحب (ممبر ساہتیہ اکیڈمی) محقق و ماہر غالبیات، پروفیسر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، بیگم حمیدہ سلطان صاحبہ، بیگم انیس قدوائی، جناب میر مشتاق احمد، حکیم عبدالحمید جناب نورالدین بیرسٹر، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، جناب خلیق انجم، جناب رشید حسن خاں، جناب ساغر نظامی، جناب روش صدیقی، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، منشی گوپی ناتھ امن، منشی بشیشور پرشاد منور، منشی شیش چندر طالب دہلوی، جناب حیدر دہلوی، جناب شاہد احمد (ساقی والے) جناب جگن ناتھ آزاد، جناب ضیا فتح آبادی، جناب عرش ملسیانی، حکیم کوثر چاندپوری سنت درشن سنگھ دگل، پیر ضامن نظامی، خواجہ حسن ثانی، جناب بہار برنی، جناب عزیز وارثی، جناب گوپال متل، جناب خوشتر گرامی، جناب مخمور سعیدی، جناب رفعت سروش، جناب ایش چندر سکسینہ ایم۔ اے وغیرہم۔

یہ سب حضرات ... جناب کامل نظامی، جناب نہال

سیوہاروی، جناب شیر سنگھ نازؔ، مولانا واصفؔ دہلوی اور مولانا امداد صابری۔

مندرجہ بالا نامہائے نامی جیسے ذہن میں آتے گئے تحریر کر دیے۔ اس میں کوئی تقدیم و تاخیر ملحوظِ خاطر نہیں اور نہ ہی کسی صاحب کی دل شکنی منظور ہے۔ بہت سے نام سہواً یا اختصار کے پیشِ نظر یہاں درج ہونے سے رہ گئے ہوں گے لہٰذا بندہ معافی کا خواستگار ہے۔ یہاں دورِ حاضر کے نوجوان شعرا کے نام بھی نہیں ہیں گو میں ان میں سے اکثر کی قدر کرتا ہوں اور اُن کا مدّاح ہوں۔

آخر میں اگر میں یہ کہوں کہ مجھ میں کم آمیزی اور کم گوئی کے عیوب ہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ یوں تو میں نے قریباً ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور مجھے کسی بھی صنفِ سخن سے بغض نہیں تاہم میں کلاسیکل غزل کا دلدادہ ہوں اور میرا بیشتر کلام اسی پر مشتمل ہے۔ باوجود کم گوئی کے اپنی نصف صدی کی ادبی زندگی میں کوئی پانچ ہزار شعر کہے ہیں۔ فی الحال اپنے احباب کے مشورے پر دو ہزار منتخب شعر صنفِ غزل کے پیشِ خدمت ہیں۔ بشرطِ زندگی و توفیقِ ایزدی باقی کلام بھی مستقبل قریب میں ہدیۂ اربابِ نظر کروں گا۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

میں جناب مالک رام صاحب، پروفیسر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر خلیق انجم اور جناب باقیؔ کا بیحد ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے مجھے اپنے گراں قدر مشوروں اور رشحاتِ قلم سے نوازا۔

والسلام

نیاز کیش

خارؔ دہلوی

۷۸، نمری کالونی۔ دہلی ۵۲

۲۵ فروری ۱۹۷۹ء

جہاں اُستاد کے دلّی میں ہم بھی نام لیوا ہیں

جنابِ خارؔ ہے بیشک غزل کی آبرو ہم سے

اُردو زباں

اردو کسی مذہب کی نہ ملت کی زباں ہے ۔۔۔ یہ مہر و مروت کی، اخوت کی زباں ہے
یہ پیرِ مغاں، پیرِ طریقت کی زباں ہے ۔۔۔ یہ کوثر و تسنیم کی، جنت کی زباں ہے
شیرینیٔ الفاظ میں مصری کی ڈلی ہے
محبوبۂ دلی ہے یہ نازوں کی پلی ہے

پھیلی ہے یہ کشمیر سے تا راس کماری ۔۔۔ ہے مملکتِ ہند کی یہ راج دلاری
ہو دینِ محمدؐ کہ کوئی بانکے بہاری ۔۔۔ ہر ایک کو مرغوب ہے، ہر ایک کو پیاری
شیرینیٔ الفاظ میں مصری کی ڈلی ہے
محبوبۂ دلی ہے یہ نازوں کی پلی ہے

ہو شودر و ملک، جن و پری یا کہ ہو انساں ۔۔۔ عیسائی و سکھ جین ہو ہندو یا مسلماں
ہو رندِ خرابات کہ ہو صاحبِ ایماں ۔۔۔ ہر ایک کی زباں اردو ہے عاقل ہو کہ ناداں
شیرینیٔ الفاظ میں مصری کی ڈلی ہے
محبوبۂ دلی ہے یہ، نازوں کی پلی ہے

مفلس ہو تو انداز فقیرانہ ہے اس کا ۔۔۔ زردار کے گھر ٹھاٹھ امیرانہ ہے اس کا
ہر اہلِ شعور آج بھی دیوانہ ہے اس کا ۔۔۔ ہر لب پہ وہی آج بھی افسانہ ہے اِس کا
شیرینیٔ الفاظ میں مصری کی ڈلی ہے
محبوبۂ دلی ہے یہ، نازوں کی پلی ہے



میرے محبوب میری جانِ غزل، شانِ غزل
کتنا زیبا ہے تیرے واسطے عنوانِ غزل

میرے دلدار ہے تیرے لئے میدانِ غزل
جُز تیرے اور نہیں کوئی بھی شایانِ غزل

ہے تیرے دم سے یہ گلہائے مضامیں کی بہار
تُو نہ ہوتا تو تہی رہتا یہ دامانِ غزل

چشم و ابرو، لب و رخسار کہ قد و گیسو
انھیں گل بوٹوں سے سجتا ہے گلستانِ غزل

ناز و انداز و ادا، حسن و شبابِ دلبر
یہ میری پریاں ہیں اور میں ہوں سلیمانِ غزل

آرزو، جستجو، ارمان، تمنا، حسرت
شکر و شکوہ، غم و شادی ہیں یہ ارکانِ غزل

حسنِ جاناں ہے تیرا پورے ادب پر احساں
تُو ہی معبودِ غزل ہے، تُو ہی ایمانِ غزل

دلِ صد چاک کے شانہ سے سنوارا ہے انھیں
تیرے گیسو نہیں، ہے زلفِ پریشانِ غزل

مے و معشوق کبھی اس میں ہیں جلوہ فرما
داغِ حسرت ہیں کبھی شمعِ شبستانِ غزل

وصل اور ہجر کے جس دل نے اٹھائے ہوں مزے
وہ سمجھ سکتا ہے کیا چیز ہے ہیجانِ غزل

کوچہ گردی نہیں کی جوشِ جنوں میں جس نے
کیا بھلا خاک ہو وہ سلسلہ جنبانِ غزل

جس نے کھائی ہی نہیں چوٹ نظر کی دل پر
اُس کا پورا نہیں ہوتا کبھی ارمانِ غزل

ہم سمجھتے ہیں مزاج اس کا محبت والے
ہم نے چھانے ہوئے ہیں دشت و بیابانِ غزل

بات معشوق کی جب دل کو کوئی لگتی ہے
خود بخود اُمڈا چلا آتا ہے طوفانِ غزل

تیرا احساں ہے بہر طور جفا کر کہ وفا
ہر دو صورت میں بہم ہوتا ہے سامانِ غزل

ایک مدّت ہوئی برباد ہوا خانۂ دل
اب سجایا ہے تیرے بسنے کو ایوانِ غزل

لوگ اس دھن میں ہیں اے خاتمۂ تغزّل مٹ جائے
ہم کو یہ فکر کسی طور رہے آنِ غزل



دورِ بے وفائی ہے، عاشقی کا ماتم ہے
عاشقی کا ماتم کیا، زندگی کا ماتم ہے

دوستوں کی بے مہری، بے رخی کا ماتم ہے
دشمنی کا شکوہ کیا، دوستی کا ماتم ہے

سوگ تھا ہمیں اپنے ایک غنچۂ دل کا
کی نظر جو گلشن پر ہر کلی کا ماتم ہے

رنج و غم کے خوگر ہیں، رنج و غم سے کیا ڈرتے
جو ہمیں نہ راس آئی، اُس خوشی کا ماتم ہے

مبتلا کیا جس نے اس فریبِ الفت میں
التفاتِ جاناں کی اُس گھڑی کا ماتم ہے

دل کو دل سے ہوتی ہے راہ سنتے آتے تھے
دل ہے اور دلبر کی بے حسی کا ماتم ہے

رائیگاں ہیں سب سجدے، بے اثر دعائیں ہیں
ہم سے سچ اگر پوچھو بندگی کا ماتم ہے

التفاتِ ساقی کی دھوم تھی زمانے میں
میکدے میں جا دیکھا، تشنگی کا ماتم ہے

حسن کی تجلی ہے خود ہی مانعِ جلوہ
عشق اور شوقِ دید بے بسی کا ماتم ہے

قحطِ آدمیت ہے، آدمی کی دنیا میں
آدمی کا رونا ہے، آدمی کا ماتم ہے

خارؔ گلعذاروں کو عذر ہے نزاکت کا
بہرِ جہانِ رنگ و بو نازکی کا ماتم ہے



سنا ہے کہ تم چاہتے ہو کسی کو، کچھ احوال اپنی زبانی کہو تو
یہ کیا اکھڑی اکھڑی سی باتیں ہیں صاحب، یہ دو بھر ہے کیوں زندگانی کہو تو
سنیں ہم بھی ہے کون وہ ماہ پارہ کہ اس گھاٹ جس نے تمھیں ہے اتارا
یہ کس کے لئے اس قدر مضطرب ہو، مٹاتے ہو اپنی جوانی کہو تو
مسیحائے دوراں ہو تم، میں نے جانا، کرو چارہ سازی تو احسان مانوں
کروگے کوئی درد کا میرے درماں، دکھاؤں میں داغِ نہانی کہو تو
بتاتا تو ہوں بات میں اپنے دل کی، مگر بات پھر میری ہیٹی نہ کرنا
میں خوددار ہوں، ضبط ہے میرا شیوہ، سناؤں میں اپنی کہانی کہو تو
لو آؤ اسی بات پر عہد کرلیں، ہمارے ہوئے تم، تمہارے ہوئے ہم
نہیں تم زباں سے اگر اپنی پھرتے، تو پھر کیوں ہے، یہ آناکانی کہو تو
کہاں آشیانہ وہ اپنا چمن میں، یا اب بند ہوں تیلیوں میں قفس کی
اسیری پہ اپنی مجھے ہے تعجب، مگر مان لوں دانہ پانی کہو تو
بتاؤ تو اے خاؔر کیا تم پہ گذری، وہ آغازِ الفت کی باتیں ہوئیں کیا
نہیں ہے وہ انداز اب گفتگو کا، ہوئی کیا وہ شعلہ بیانی کہو تو



دنیا کے ہیں نہ دین کے، دلبر کے ہوگئے
ہم دل سے کلمہ گو کسی کافر کے ہوگئے

اے چشم یار مان گئے تیرے سحر کو
دل دے کے معتقد تیرے منتر کے ہوگئے

اُٹھے نہ بیٹھ کر کبھی کوئے حبیب سے
اُس در پہ کیا گئے کہ اُسی در کے ہوگئے

ہم عرض حال کر نہ سکے اُف رے رعب حسن
جاتے ہی اُن کے سامنے پتھر کے ہوگئے

بس ہم نے جذب دل کی بھی تاثیر دیکھ لی
عاجز فغان و آہ بھی ہم کر کے ہوگئے

پہلے تو آسمان کی تھیں مہربانیاں
اب تختۂ مشق تجھ سے ستمگر کے ہوگئے

اے خاکؔ دل جگر پہ ہی قابو نہیں رہا
ہم سے خلاف غیر تو کیا گھر کے ہوگئے



دلِ ویراں کو بسالوں تو چلے جائیے گا
اس کو جلووں سے سجالوں تو چلے جائیے گا
خاک میں ملنے کے ارمان بہت باقی ہیں
اپنی ہستی کو مٹا لوں تو چلے جائیے گا
ٹھہریئے ٹھہریئے آواز اجل کو دے لوں
موت کو اپنی بلا لوں تو چلے جائیے گا
دلِ پُر داغ کا منظر ہے بڑا ہی پُر لطف
آج یہ سیر دکھا لوں تو چلے جائیے گا
داستان دلِ پُر داغ کی تکمیل تو خیر
ایک دو باب سنا لوں تو چلے جائیے گا
حسرتِ دید رہی جاتی ہے دل کی دل میں
بس ذرا ہوش میں آلوں تو چلے جائیے گا
پھر کہاں خارؔ کہاں آپ سا ناوک افگن
زخم کچھ اور بھی کھا لوں تو چلے جائیے گا



ناگوارا ہے زندگانی تک
مٹ گیا لطفِ کامرانی تک
شکرِ وصل و شکایتِ ہجراں
یہ حکایت ہے نوجوانی تک
پُر جفا تیرے ظلم کی غایت
ہے فقط میری بے زبانی تک
قصہ گو کی زباں ہوئی الکن
آ چلا تھا میری کہانی تک
اب یہ عالم ہے سوزِ پنہاں کا
آنسوؤں میں نہیں روانی تک
دیدۂ تر نے دھو کے داغِ جگر
چھین لی عشق کی نشانی تک
خاکؔ نوبت یہ ضعف کی پہنچی
نہ ہوئی غم کی ترجمانی تک



کیوں رہے یہ ارماں بھی ناتمام پورا کر
جلد قتلِ عاشق کا اہتمام پورا کر

اُن کا کیا بھروسہ ہے آئیں یا نہ آئیں وہ
مرگِ ناگہاں تو تو اپنا کام پورا کر

نالہائے پیہم سے بیقرار کر اُن کو
اے جنونِ عشق اپنا انتقام پورا کر

سر پہ کچھ گذر جائے شغلِ مے رہے جاری
یہ ہی شانِ رندی ہے وردِ شام پورا کر

تشنہ لب ہمیں رہ جائیں حیف ساقیٔ محفل
یہ کہاں کا ہے انصاف دورِ جام پورا کر

جادۂ محبت میں اب قدم جو رکھا ہے
چل بھلے ہی سر کے بل گام گام پورا کر

یاد تو رہے باقی اس جہانِ الفت میں
مثلِ مجنوں و فرہاد خاؔر نام پورا کر



شاہکار اُن کے جورِ پیہم کے
دل جگر ہیں مجسّمے غم کے

دل کی دل میں ہے لب کی لب پر بات
اُف رے تیور نگاہِ برہم کے

دلبری ہے تو ہر حسین کا شعار
دل وفا آشنا ہیں کم کم کے

ہم کو زنجیر کیوں پہناتے ہو
ہم تو بندے ہیں زلفِ پُرخم کے

اب ستمگر کہاں وہ تاب و تواں
ظلم رُک رُک کے جو تھم تھم کے

خونِ دل سے ہیں کس قدر رنگین
دیکھو اوراق قصۂ غم کے

حیف سینے کے داغ دھو نہ سکے
خاک سیلاب چشمِ پُرنم کے



آمدِ عہدِ جوانی اور ہے / یہ بلائے ناگہانی اور ہے

مدعائے مہربانی اور ہے / اس میں کچھ رازِ نہانی اور ہے

خوش گلوئی خوش بیانی اور ہے / دردِ دل کی ترجمانی اور ہے

(ق)
ہائے کہنا چھیڑ سے اُس شوخ کا / "اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے"

تیری دل جوئی کریں گے روز و شب / "کوئی دن گر زندگانی اور ہے"

داغِ حسرت بھی نہ مٹ جائے کہیں / ایک یہ اُن کی نشانی اور ہے

کہیو قاصد دے کے خط اس شوخ سے / وہ جو پیغامِ زبانی اور ہے

داستانِ سوزِ پروانہ ہے اور / شمعِ سوزاں کی کہانی اور ہے

کیوں کریں بلبل صفت آہ و فغاں / اک زبانِ بے زبانی اور ہے

آتشیں رخسار پر نازاں نہ ہو / آہ کی شعلہ فشانی اور ہے

شیشۂ دل میں تمناؤں کا خون / یہ شرابِ ارغوانی اور ہے

آفریں تحسیں کا ہے قتل ہیں شہید / تیرے خنجر کی روانی اور ہے

بادشاہت کم ہے ہفت اقلیم کی / تیرے در کی پاسبانی اور ہے

کہہ تو دے گا حالِ دل پیغامبر / ہاں مگر اپنی زبانی اور ہے

شعر میں خونِ جگر ہوتا ہے صرف
خنا آسا دل کی نوحہ خوانی اور ہے



کیوں اس کا یقیں تم کو خدارا نہیں ہوتا
وہ نالۂ شب گیر ہمارا نہیں ہوتا

آتا ہے محبت میں اک ایسا بھی بُرا وقت
جب آہ کا بھی دل کو سہارا نہیں ہوتا

چند ایسے بھی لمحات گذرتے ہیں جنوں میں
جب دل کو تیرا ناز گوارا نہیں ہوتا

آتی ہے صدا پھر بھی مجھے گنبدِ دل سے
گو اُس نے میرا نام پکارا نہیں ہوتا

ہوں دیر و حرم کافرِ الفت نہیں جاتے
جس بزم میں وہ انجمن آرا نہیں ہوتا

دریائے عجائب ہے یہ دریائے محبت
منجدھار تو ہوتی ہے کنارا نہیں ہوتا

اب خاک بڑھاتے نہیں وہ حوصلۂ دل
وزدیدہ نگاہوں کا اشارا نہیں ہوتا



کرے التفات وہ بت تیری شانِ کبریائی
مرے دل کی خیر یارب کوئی تازہ آفت آئی

کیے جا یوں ہی تغافل، یوں ہی صبر آزمائی
کہ پرکھ کے ہم بھی دیکھیں ذرا آہ کی رسائی

ہوئی اک جہاں کو عبرت ہوئی دم بخود خدائی
تجھے دے کے دل ستمگر بڑی ہم نے زک اٹھائی

نہیں ترکِ رسمِ الفت سے بُرا دبے وفائی
ذرا دیکھیں کون اٹھائے ترا نازِ کج ادائی

مری بے خودی کا موجب میری وحشتوں کا باعث
تیری شانِ بے نیازی، تیرا ذوقِ خودنمائی

تو جو مائلِ ستم ہے، یہ تیرا بڑا کرم ہے
کہ اگر کرے تغافل تو ہے اس میں جگ ہنسائی

سرِ حشر دعوئی خوں جو کروں قصور میرا
کہیں گل کھلا نہ بیٹھے تیرا پنجۂ حنائی

کبھی خوفِ مرگِ شادی، کبھی بیم شدّتِ غم
مرے حق میں سم ہیں دونوں تیرا وصل اور جدائی

عمرت دراز جاناں پئے مشقِ جور تو نے
مجھے انتخاب کرکے میری آبرو بڑھائی

بڑی دل نوازیاں کیں اجی واہ واہ صاحب
زہے پاسِ دوستداری، نہ ہے شرطِ آشنائی

ہو ستم سے دست کش اب نہیں تابِ ترکِ ہندی
تجھے واسطے خدا کا، تجھے رام کی دہائی

جسے جو عطا کرے وہ، تجھے حسن و ناز بخشا
مجھے دی بصد عنایت ترے کوچہ کی گدائی
اُسے فتنۂ قیامت بھی اگر کہیں غلط ہے
کہ بذاتِ خود قیامت کرے جس کی پیشوائی
مجھے تیغ دے، اِدھر لا، کہ میں کاٹ لوں گلا خود
کہیں دیکھ اُتر نہ جائے تیری نازنیں کلائی
تمھیں کچھ جنوں ہے لوگو! ہمیں عشق کس سے کب تھا
نہ کوئی ہمارا شیدا، نہ کسی کے ہم فدائی
کریں ضبطِ آہ کب تک، کریں شکرِ جور کب تک
ہے دلِ نیاز منزل میں اب اور دُھن سمائی
تیری ایک مسکراہٹ پہ نثار سو بہاریں
میری کشتِ آرزو میں سرِ نو بہار آئی
میرے ساتھ میکدے میں کبھی شیخ تو جو چلتا
تو میں دیکھتا، ہے کتنا ترا زعمِ پارسائی
تجھے خاترؔ کیا بتائیں، یہ عجیب ماجرا ہے
اگر اس نے بات پوچھی، ہمیں بات کرنہ آئی



بلائے جہاں ہوتی ہیں حسن کی نیرنگیاں اکثر
شکستِ دل کا باعث بن گئیں دلچسپیاں اکثر

لیے ہیں اس طرح اُس نے وفا کے امتحاں اکثر
کہ ہم سے سخت جاں بھی کہہ اٹھے ہیں الاماں اکثر

سجایا ہے جو شاخِ گل سے تو نے آشیاں اکثر
ہمارے حق میں کانٹے بو دیئے ہیں باغباں اکثر

لگا رہتا ہے کھٹکا شامِ وصلت صبحِ ہجراں کا
خزاں بردوش ہوتی ہے بہارِ بوستاں اکثر

ہمارے اشکِ رنگیں ہیں تیرے دستِ حنائی میں
جھلک آئی ہیں خونِ آرزو کی سرخیاں اکثر

بہ پاسِ رازداری کشتگانِ ناز تو چپ ہیں
مگر دیکھو بہک جاتی ہے خنجر کی زباں اکثر

کبھی تابانی جلوہ کبھی شرم و حیا اُن کی
رہی ہے حدِّ فاصل میرے اُن کے درمیاں اکثر

جہاں بدلے وہ تیور نفسِ مضموں خیط ہوتا ہے
سہم جاتے ہیں کہتے کہتے اُن سے داستاں اکثر

یہی نازِ بتاں جو باعثِ تسکین خاطر ہے
ہوا ہے بارِ خاطر بھی یہی نازِ بتاں اکثر

مریضِ غم تمہارا آج دم توڑے کہ کل توڑے
پھری ہیں پتلیاں آنے لگی ہیں ہچکیاں اکثر

نہ پوچھو آج اُس کمبخت کو کس حال میں دیکھا
وہی خاورِ حزیں کرتے تھے تم جس کا بیاں اکثر



آہوں سے جو ہو نہ سکا وہ اک ہچکی نے کام کیا
خیر ہوئی بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

توڑ دیا دم پائے صنم پر اہلِ وفا میں نام کیا
یوں غمِ ہستی کا افسانہ ہم نے بخیر اتمام کیا

وصل کی لذت کس نے اٹھائی، کس نے اُس کو رام کیا
ہجر میں جی کر نام وفا کا اور اُلٹا بدنام کیا

تا حدِ مقدور چھپایا دل نے تو رازِ الفت کو
اے چشمِ نم تیرا بُرا ہو تو نے طشت از بام کیا

ہائے ستمگر وائے ستمگر اب کیجئے تو کیا حاصل
دل دے کر سفاک کو ہم نے کتنا غلط اقدام کیا

عمر کٹی سو رو رو کر، پھر حشر میں زخم ہرے ہوں گے
زیرِ لحد البتہ کچھ دن کشتوں نے آرام کیا

جیئے بچے جو عشق میں سمجھو، وہ زندہ درگور ہوئے
نیش سے بچنا ناممکن ہے، نوش اگر یہ جام کیا

حسنِ عقیدت شرط ہے کوئی نقشِ قدم کی قید نہیں
اُس کی گلی میں ہم نے جبینِ عجز کو خم ہر گام کیا

تھک کر جب مشتاق نگاہیں بام و در سے لوٹ آئیں
ذوقِ نمائش نے کروٹ لی حسن نے جلوہ عام کیا

اُن کی جفا پر حیف نہیں ہے حیف ہے سادہ لوحی پر
کیوں ان سے امیدِ وفا کی، کیوں یہ خیالِ خام کیا

کافر ہیں یا مومن یہ تو خاسرؔ ہمیں معلوم نہیں
ہم نے جب سے ہوش سنبھالا، دل نذرِ اصنام کیا



کیے ہیں عذر، بہانے بنائے ہیں کیا کیا
سوالِ وصل پہ وہ کسمسائے ہیں کیا کیا
وہ دل پہ چھائے، نظر میں سمائے ہیں کیا کیا
کہ ترکِ عشق پہ بھی یاد آئے ہیں کیا کیا
نہ پوچھ لطفِ چراغاں اٹھائے ہیں کیا کیا
ہمارے داغِ دروں جگمگائے ہیں کیا کیا
قتیلِ خنجرِ ابرو شہیدِ ناز تیرے
نہا کے خون میں گنگا نہائے ہیں کیا کیا
ہم اُس کی یاد سے دم بھر اگر ہوئے غافل
خیالِ یار نے شانے ہلائے ہیں کیا کیا
کسی کے عشق میں دامانِ زیست تنگ ہُوا
جنوں نے چاکِ گریباں دکھائے ہیں کیا کیا
حضورِ گل کیا ترکِ ادب جو بلبل نے
صبا نے مُنہ پر طمانچے لگائے ہیں کیا کیا
ستم شعار اسی چشمِ سحر سا نے تیری
نہ پوچھ خاک میں ارماں ملائے ہیں کیا کیا
ہماری آبلہ پائی کی آبرو کے لیے
جنوں نے راہ میں کانٹے بچھائے ہیں کیا کیا
تھی آشنا کبھی ساقی کی چشمِ بادہ فروش
پیے ہیں ساغرِ گلگوں پلائے ہیں کیا کیا
مزاجِ وقت بھی بدلا نگاہِ دوست کے ساتھ
حریف خام سب اپنے پرائے ہیں کیا کیا



یہ مانا دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے
مگر نادان ضبطِ عشق کی توہین ہوتی ہے

محبت ہی سے انساں کو خدا ملتا ہے اے ناصح
ہمیں ترکِ محبت کی یہ کیوں تلقین ہوتی ہے

ہیں عشاق سے ہے قدر و قیمت حسنِ خوباں کی
کہ پروانوں سے شمعِ بزم کی تزئین ہوتی ہے

یہ مانا زہد و طاعت خوب ہیں اپنی جگہ لیکن
گناہوں سے بسا یا زندگی رنگین ہوتی ہے

کوئی پھر درد سے لبریز نغمہ چھیڑ اے مطرب
ذرا دل بستگیٔ خاطرِ غمگین ہوتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتے ہیں مرتب واقعاتِ دل
بدقت داستانِ درد کی تدوین ہوتی ہے

ہمیں تو خاک میں لے بیٹھا کسی کا صدمۂ فرقت
جدائی کی گھڑی بھی کس قدر سنگین ہوتی ہے



جی جان کا تھا اس میں زباں چھوڑ دیا ہے
ہاں چھوڑ دیا عشق بتاں چھوڑ دیا ہے
ہر چند کہ تھا وردِ زباں چھوڑ دیا ہے
اب ذکر ترا دشمنِ جاں چھوڑ دیا ہے
کیوں میرے نشیمن کا نشاں چھوڑ دیا ہے
کس دن کے لئے برقِ تپاں چھوڑ دیا ہے
اس عشق نے لا کر ہمیں سرحد میں جنوں کی
بے یار و مددگار کہاں چھوڑ دیا ہے
کیا مانگتے اس شوخ سے الفت کی نشانی
کافی ہے جو ایک داغِ نہاں چھوڑ دیا ہے
یہ اور ستم دیکھیے صیّاد نے میرے
پر کاٹ لیے بعد ازاں چھوڑ دیا ہے
اللہ رے ساقی تیری بدمست نگاہیں
واعظ نے بھی کوثر کا بیاں چھوڑ دیا ہے
یہ ترکِ ادب بلبلِ گلشن کو مبارک
اس کے لیے اندازِ فغاں چھوڑ دیا ہے
جیسے کوئی پردیس میں بھٹکا ہوا رہرو
یوں بزم میں دل کو نگراں چھوڑ دیا ہے
معلوم ہمیں ہے تیرے وعدوں کی حقیقت
اب تیرا یقیں چرب زباں چھوڑ دیا ہے
کل خاسرؔ کو محفل سے اٹھایا تھا جو تم نے
سنتے ہیں کہ آج اس نے جہاں چھوڑ دیا ہے



عبث دوہرائیے رُودادِ غم کیا
حدیثِ آرزو کیجیے رقم کیا

جو باقی ہے وہ کھونے گی بھرم کیا
ڈبوئے گی ہمیں یہ چشمِ نم کیا

جبینِ شوق کو لازم ہے سجدہ
قدم کیا یار کے نقشِ قدم کیا

برائے کوچہ گردانِ محبت
بلائے جادۂ ملکِ عدم کیا

بجا انکارِ احساسِ محبت
مگر سینہ میں پھر یہ زیر و بم کیا

دلِ گم گشتہ مل جائے تو پوچھوں
کہ گذری مشفق من، محترم کیا

جوابِ میکدہ ہونے نہ پائے
حرم کیا، دیر کیا، بیت الصنم کیا

عذابِ جاں ہیں دونوں کے دونوں
حسینوں کا ستم کیا اور کرم کیا

جسے حاصل ہو تیرے غم کی دولت
اُسے دنیا میں فکرِ بیش و کم کیا

نہیں آئے اگر دشمن کے گھر سے
تو یہ رُو کھی ہنسی، جھوٹی قسم کیا

وہ تکلیفِ سماعت کیوں کریں خاکسر
ہماری بات ہی کیا اور ہم کیا



قصور مان لیا اپنی چشمِ پُرنم کا
گلہ کہو تو کروں میں بھی جورِ پیہم کا

وہ کر رہے ہیں میرے زخمِ دل کی چارہ گری
نمک سے کام لیا جا رہا ہے مرہم کا

میری دعا کا اثر دیکھیے شبِ وعدہ
اُنھیں بہانہ ملا ہے عدو کے ماتم کا

کسی کی یاد میں موتی پروئے اشکوں کے
کہ ہار گوندھا ہے اک قطرہ ہائے شبنم کا

یہ مختصر ہے پریشان خاطری کا بیاں
ہے دل کا بھی وہی عالم جو زلفِ برہم کا

زہے ترقیٔ انساں، زہے تمدنِ نو
کہ آج آدمی دشمن ہے نوعِ آدم کا

تمھارے حسن نے پھولوں کو تازگی بخشی
ہمارے عشق نے رتبہ بڑھا دیا غم کا

وہ غم نصیب ہوں، خلوت نصیب ہو نہ سکی
کہاں میں بزم میں کرتا مظاہرہ غم کا

جہان میں جو ہے مجنوں کے نام سے منسوب
ورق ہے ایک ہمارے ہی قصۂ غم کا

فغاں کبھی کر نہ سکیں ایسے بے زباں تو نہیں
ہے احترام ہمیں اپنی عظمتِ غم کا

نہ ہم جلیس کی حاجت نہ کچھ گزک درکار
جواب ہی نہیں اے خاؔر بادۂ غم کا



جلوۂ یار واہ واہ آج ارم بدوش ہے
آج تو دامنِ نگاہ، دامنِ گل فروش ہے
چشمِ فسوں طراز دیکھ، زلفِ کج و دراز دیکھ
چھیڑ ذرا تو ساز، دیکھ جنتِ چشم و گوش ہے
یار کی بات چیت سُن، پریت کی اُس سے ریت سُن
مہر و وفا کا گیت سُن، سُن کہ یہی سروش ہے
جانِ حزیں ہے بیقرار، دامنِ صبر تار تار
آمدِ موسمِ بہار، رسمِ وداعِ ہوش ہے
تھی کبھی دل میں تابِ ضبط، آہ و فغاں اب ہے ربط
ختم ہوا وفا کا خبط اب تو جنوں کا جوش ہے
ظلم و ستم کی انتہا، حسن کی یہ بھی ہے ادا
اُس پہ یہ نازِ اے خدا "نالۂ غم" خروش ہے
آپ کو دل جو دے کوئی، کرتے ہیں خوب دل دہی
سینۂ داغ دار ہی جائیے پردہ پوش ہے
چین سے اب ہے جانِ زار، آگیا خود بخود قرار
آتی ہے موت جیسے یار، کشتۂ غم خموش ہے
خاکسار بُری ہے دل لگی، کہتے تھے ہم نہ کر ہنسی
وجہ ملائے عاشقی یہ دل عیش کوش ہے



انجامِ محبت اے توبہ، آغازِ محبت کیا کہیے
کیوں چھیڑیے دل کے زخموں کو وہ اگلی حکایت کیا کہیے
وہ مہر و مروّت کی نظریں وہ لطف و عنایت کیا کہیے
اظہارِ وفا، اقرارِ وفا، وہ جوشِ رفاقت کیا کہیے
چھوٹے ہوئے اُن سے رسمِ وفا گو ایک زمانہ بیت گیا
خوں روتے ہیں ہم اب بھی اکثر، رنگینیٔ صحبت کیا کہیے
آزارِ غمِ فرقت سے سوا کیا ہوگی، بلا سے روزِ جزا
ہم عشق کے ماروں کے آگے رُودادِ قیامت کیا کہیے
اُمڈی چلی آتی ہیں آہیں، دل ضبطِ فغاں سے عاجز ہے
آمادۂ رخصت، پاسِ وفا، اب عالمِ وحشت کیا کہیے
کچھ کھوئے کھوئے سا رہنا، کچھ بہکی بہکی سی باتیں
کچھ درد سا سینے میں دائم کیا چیز ہے الفت کیا کہیے
جب اُن کی جفا کا اُن سے ہی ایک عمر گلہ شکوہ نہ کیا
اے خاکیؔ تو پھر پیشِ داورِ رازِ روئے شکایت کیا کہیے



کب میری آستین تر نہ ہوئی
سوزِ دل بڑھ گیا اثر نہ ہوئی
اس قدر مختصر زمانِ وصل
زندگی حیف مختصر نہ ہوئی
اُف رے طولانی شبِ فرقت
حشر کے روز تک سحر نہ ہوئی
آستانے سے تیرے مر کے اُٹھے
خیر مٹی تو دربدر نہ ہوئی
نہ ہوا کچھ غمِ نہاں کا علاج
کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی
روگ بڑھتا گیا دواؤں سے
اور دعا کوئی با اثر نہ ہوئی
خاکم جب سے وہ دلربا بچھڑا
زندگی چین سے بسر نہ ہوئی



اور اُلٹا یہ تو رسوائی کا ساماں ہو گیا
چاکِ پیراہن رفو ہو کر نمایاں ہو گیا

وحشیوں کو جانے کیا اِذنِ بہاراں ہو گیا
صحنِ زنداں غیرتِ صحنِ گلستاں ہو گیا

تجھ پہ بیمارِ محبت فضلِ یزداں ہو گیا
موت کیا آئی علاجِ دردِ ہجراں ہو گیا

شیخ جب خود ہی شریکِ بزمِ رنداں ہو گیا
شغلِ مے نوشی سمجھو جزوِ ایماں ہو گیا

اس ہنر کے تیرے ہم قائل ہیں اے ناوک فگن
تیر وہ مارا کہ پیوستِ رگِ جاں ہو گیا

تیرے دیوانے کسی سے کب ہیں پیمائش میں کم
فصلِ گل آئی گریباں تا بہ داماں ہو گیا

حسرت و ارمان کے مدفن آرزوؤں کے مزار
دل کی آبادی ہیں اب شہرِ خموشاں ہو گیا

دل میں رہنے دیں تو احساں ہے نکالیں تو کرم
ناوکِ ناز آپ کا، اب میرا ارماں ہو گیا

لب پہ ناصح کے بجائے پند اب فریاد ہے
وہ بھی شاید آشنائے حسنِ خوباں ہو گیا

مٹ گیا راہِ وفا میں، تھی یہی معراجِ دل
خاک ہو کر سرمۂ چشمِ غزالاں ہو گیا

دین و دل، ہوش و خرد، صبر و سکوں، ضبط و قرار
خاتمہ سرمایہ ہمارا نذرِ جاناں ہو گیا



جوانی آپ کی صد غیرتِ باغ و بہار آئی
مجسّم ہو کے گویا رحمتِ پروردگار آئی

پیامِ مرگ آیا یا نویدِ وصلِ یار آئی
اجل آئی ہے یا تسکینِ جانِ بیقرار آئی

نہ جانے خاک میں اس نے ملائے آسماں کتنے
سنبھل کر چل دلِ ناداں زمینِ کوئے یار آئی

جو آئیں مرگِ شادی ہے، نہ آئیں مرگِ ناکامی
نہ وصلت سازگار آئی، نہ فرقت سازگار آئی

تغافل نے تمہارے ضبط کے آئین سب توڑے
خطا دل کی نہیں، لب پر فغاں بے اختیار آئی

پشیمانی نے اُن کی اور بھی، ہم پر ستم ڈھایا
قیامت کی نظر بن کر نگاہِ شرمسار آئی

ادا و ناز نے بخشی جِلا، شوخی نے گرمایا
حیا کچھ اور بھی اس روئے رنگیں کو نکھار آئی

پڑھا بلبل نے نوحہ، چاک پیراہن کیا گل نے
ہمارے واسطے شبنم چمن میں اشکبار آئی

دعائے وصل سے تھک کر دعائے مرگ جب مانگی
بتِ وعدہ شکن آیا، اجل بھی ہمکنار آئی

الم میں کس کے نرگس نے گنوایا نور آنکھوں کا
بکھیرے بال کس کے غم میں سنبل سوگوار آئی

اگر اے خارؔ توبہ کر بھی لی ہم نے تو کیا ہوگا
جو پھر بادہ فروشی پر وہ چشمِ مے گسار آئی



عقیدت اس کو کہتے ہیں، عقیدت کم نہیں ہوتی
تیرے الطاف کم ہوں میری چاہت کم نہیں ہوتی

مے و معشوق کی دم بھر کو صحبت کم نہیں ہوتی
غمِ دوراں سے ہمدم اتنی فرصت کم نہیں ہوتی

نہ کر کوتاہیٔ قسمت کا شکوہ اے دلِ ناداں
زہے توفیقِ الفت غم کی دولت کم نہیں ہوتی

فغاں و آہ سے کب سنگدل کا دل پگھلتا ہے
بھرم جاتا ہے البتہ مصیبت کم نہیں ہوتی

سہارے زندگی کے دن بدن کم ہوتے جاتے ہیں
مگر طولانیٔ شبہائے فرقت کم نہیں ہوتی

مداوا داغِ دل کا، داغِ پیشانی نہیں ہوتا
جبیں سائی سے کچھ شومیٔ قسمت کم نہیں ہوتی

ہمیں ترکِ وفا کا اور کیوں الزام دیتے ہو
بذاتِ خود محبت کی ہی تہمت کم نہیں ہوتی

فقیرانہ صدا دی بھی تو اتنا کیوں بگڑتے ہو
سوالی سے سخی کے در کی حرمت کم نہیں ہوتی

بگڑنے میں بھی اُن کے لاکھ پہلو ہیں بناؤ کے
کلامِ تلخ سے لب کی حلاوت کم نہیں ہوتی

جنونِ عشق ہے دیوانگی رسماً نہیں اپنی
بہار آئے کہ جائے دل کی وحشت کم نہیں ہوتی

دعائیں مانگتا ہوں، مانتا ہوں منّتیں لاکھوں
مگر خاکرؔ حزیں دل کی اذیّت کم نہیں ہوتی



گمانِ بد نہ ہو یوں بدگماں سے کچھ نہ کہا
گلے تو لاکھ تھے لیکن زباں سے کچھ نہ کہا
جفائے دوست بھی اک جزوِ رازِ الفت ہے
ستم اٹھائے مگر رازداں سے کچھ نہ کہا
وہی بتائے کہ تھی کس کی کارفرمائی
جو گل نے بلبلِ محوِ فغاں سے کچھ نہ کہا
ہمیں سے حضرتِ دل تھے وہ سب گلے شکوے
جفا کے باب میں اُس مہرباں سے کچھ نہ کہا
زمینِ کوچۂ جاناں کی مل گئی تمثیل
خوشی سے رنج سہے آسماں سے کچھ نہ کہا
ضرور دونوں میں دیرینہ کچھ مراسم ہیں
جنابِ شیخ نے پیرِ مغاں سے کچھ نہ کہا
عزیز ہے کہ ہے وابستۂ چمن وہ بھی
جلا جو آشیاں برقِ طپاں سے کچھ نہ کہا
جفائے دوست کا کیا حشر میں گلہ کرتے
تمام عمر جب اُس جانِ جاں سے کچھ نہ کہا
عجب نہ تھا کہ وہ حالِ دلِ حزیں سنتے
ہمیں نے شدّتِ دردِ نہاں سے کچھ نہ کہا
دہانِ زخم نوازا، زبانِ خنجر سے
مگر حضور نے مجھ نیم جاں سے کچھ نہ کہا
خلافِ وضع کوئی بات ہم نے خاؔسر نہ کی
جوابِ تلخ بھی اس بدزباں سے کچھ نہ کہا



تجھ کو چاہا تیرا مجرم ہوں گنہگار ہوں میں
کر جفائیں کہ جفاؤں کا سزاوار ہوں میں
بانیِ جور توجہ کا طلب گار ہوں میں
مجھ پہ کر مشقِ ستم درخورِ آزار ہوں میں
بت پرستی میرا مذہب ہے میرا ایماں ہے
وہ حسیں میرا خدا اُس کا پرستار ہوں میں
پاسِ آدابِ وفا ہے کہ میں چُپ ہوں کافر
ورنہ یہ تو نہیں نامحرمِ اسرار ہوں میں
میں تو سائل ہوں دیے جاؤں گا در پہ دستک
آپ انکار کریں خوگرِ انکار ہوں میں
حسن کو ناز کہ شہرہ ہے جہاں میں اُس کا
عشق کو زعم کہ رُسوا سرِ بازار ہوں میں
تیرا احساں جو کرے اپنے غلاموں میں شمار
یہ جسارت کہ کہوں تیرا خریدار ہوں میں
زندگی عشق میں برباد نہ کر کہتی ہے عقل
دل یہ کہتا ہے کہ مجبور ہُوں لاچار ہُوں میں
دیکھ گا اپنے دلِ تنگ ہیں، زنداں میں نہ کھینچ
طوق کیا ہوگا کہ زلفوں کا گرفتار ہوں میں
چشمِ مستانہ کے ساغر، لبِ میگوں کے وہ جام
اِس قدر تُو نے پلائے ہیں کہ سرشار ہوں میں
حسن والوں میں بصد عیش گذاری ہے حیات
ہمنشیں گل کا رہا باغ میں وہ خار ہوں میں



بخیہ گر کیا کیا خاک تو نے خیر جُو ہو کر
ہو گئے نمایاں چاک اور بھی رفو ہو کر

دُور ہوں یہ سب ہیجاں کاش گیسوئے جاناں
مشکلیں کرے آساں حلقۂ گلو ہو کر

دشمنوں کو رو بیٹھے ہاتھ دل سے دھو بیٹھے
نقد تھا سو کھو بیٹھے صرفِ آرزو ہو کر

دربدر ہوئے رُسوا عشق سے ہوا سودا
کوئی پُوچھے کیا پایا محوِ جستجو ہو کر

یاد آ رہے ہیں وہ، چھائے جا رہے ہیں وہ
گدگدا رہے ہیں وہ، دل کو آرزو ہو کر

سب نظر کا دھوکا ہے، یہ حسین پردا ہے
برگ و گل میں بیٹھا ہے کوئی رنگ و بُو ہو کر

پھر نہ اک قیامت آئے خار تیری شامت آئے
اور کوئی آفت آئے اُن سے دُو بدُو ہو کر



سوالِ وصل پہ بولے وہ ہو کے چیں بہ جبیں
ہزار بار نہیں، صد ہزار بار نہیں
کہا جواں سے کہ وعدوں پہ اعتبار نہیں
کہا کہ تیری وفاؤں کا بھی کسے ہے یقیں
طلب پہ بوسہ کی دیجے نہ گالیاں صاحب
کلامِ تلخ نہیں زینتِ لبِ شیریں
بہارِ باغ میں پھولوں کی دل فریبی میں
کرے گی اور اضافہ تیری قبائے رنگیں
تیری جفا کا میری بندگی کا آئینہ
یہ میرا داغِ جگر ہے یہ میرا داغِ جبیں
بتوں سے فیض کی امید پہ جیے جانا
ہے اک فریبِ مسلسل مگر فریبِ حسیں
یہ تیری بزم کی کیسی ہوا ہے اے کافر
نہ مجھ کو دل کا یقیں ہے نہ دل کو میرا یقیں
کبھی تھا خانہ دل یادِ دوست سے آباد
چلی جو بادِ مخالف مکاں رہا نہ مکیں
تم اپنے تارِ نظر سے رفو گرو تو کرو
ہے ایک چاک گریباں کئے چاک کئے جو قریں
حریمِ ناز میں سجدہ ہو یا حرم میں نماز
مآلِ کار تو آخر وہی ہے داغِ جبیں
نہیں خبر کہ انھیں خیر ہے یا شر منظور
تھا اُن کی بزم میں کل ذکرِ تیرا خاطرِ حزیں



وہ چشمِ کرم اے بتِ طنّاز نہیں ہے
اب تیرے ستم کا بھی وہ انداز نہیں ہے
بلبل میں وہ مطرب کا سا انداز نہیں ہے
آواز ہی آواز ہے اعجاز نہیں ہے
کیوں چھیڑ رہا ہے میرا دل توڑنے والے
اس سازِ شکستہ میں اب آواز نہیں ہے
کیا تجھ سے گلہ ہو تیری بے راہ روی کا
خود دل ہی میرا ہمدم و ہمراز نہیں ہے
ہوں عاشقِ بدنام، گدائے درِ جاناں
یہ کس نے کہا منصبِ اعزاز نہیں ہے
صد حیف کہ مرتا ہے مسیحا تیرا بیمار
کیا اب لبِ جاں بخش میں اعجاز نہیں ہے
ہے حسن ابھی چاشنیِ درد سے محروم
شائستۂ غم وہ نگہِ ناز نہیں ہے
افسانہ در افسانہ ہے الفت کی حکایت
انجام نہیں ہے کوئی آغاز نہیں ہے
پر کھولے ہیں صیاد اس احسان کے صدقے
جب دیکھ لیا، طاقتِ پرواز نہیں ہے
ساقی کے اشارے پہ ہے گردش میں زمانہ
ہر رند ہی کچھ گوشِ برآواز نہیں ہے
اقرارِ محبت ہے نہ اظہارِ محبت
اے خاؔر کوئی غمزۂ غمّاز نہیں ہے



یاد آتے ہیں آج فرقت میں
دن جو کاٹے تھے تیری صحبت میں

اس قدر وصل میں ہنسے بھی نہ تھے
جتنا رونا پڑا ہے فرقت میں

میرے سجدوں سے چار چاند لگے
آپ کے آستاں کی حرمت میں

اب تبسم بھی ہے شریکِ نگاہ
یہ اضافہ ہے دل کی قیمت میں

جب یہیں ہم ہوئے نہ دامنگیر
کیا کریں گے گِلہ قیامت میں

کیا خطا ہم سے ہوگئی سرزد
کیوں کمی آگئی عنایت میں

آپ ہی کہیے اِک خلش کے سوا
کیا ملا آپ کی محبت میں

کیوں گریبان ہو ہمارا ہی؟
اُس کا دامن ہو دستِ وحشت میں

خامہ کو تم نواز کر دیکھو!
اس کو کب عذر ہے اطاعت میں



برہمن اور شیخ تو دیر و حرم تک لے گئے
ہم دلِ پُر شوق کو بیت الصنم تک لے گئے

اب اسے دیوانہ پن کہیے کہ حسنِ اعتقاد
بار ہا اپنی جبیں نقشِ قدم تک لے گئے

کی تو ہے اتنی جسارت دیکھیں کیا انجام ہو
یعنی حرفِ مدعا نوکِ قلم تک لے گئے

جان بھی نکلی تو نکلی انتظارِ یار میں
ہم کسی کی آرزو ملکِ عدم تک لے گئے

کشتگانِ ناز کا شوقِ شہادت دیکھیے
اپنی گردن آپ ہی تیغِ ستم تک لے گئے

رات کا کٹنا ہی مشکل تھا نہ کاٹے کٹ سکی
صبحِ ہجراں کو تو جوں توں شامِ غم تک لے گئے

مانگنے کے واسطے حسن و جوانی کی زکوٰۃ
کاسۂ دل خار ہم اہلِ کرم تک لے گئے



دشمنِ باوفا کی باتیں ہیں — دل ہے اور دلربا کی باتیں ہیں
چشم و زلفِ دوتا کی باتیں ہیں — یعنی برق و بلا کی باتیں ہیں
جس کے دم سے نفس نفس ہے بہار — اسی رنگین قبا کی باتیں ہیں
جس نے حالت تباہ کی دل کی — پھر اُسی بے وفا کی باتیں ہیں
جس نے کشتی ڈبوئی ہے دل کی — ہاں اُسی ناخدا کی باتیں ہیں
کوئے دلدار و سایۂ دیوار — یہ بھی بختِ رسا کی باتیں ہیں
عرضِ مطلب پہ وہ حجاب اُن کا — کتنی قاتل حیا کی باتیں ہیں
جس کو تم نے کبھی نوازا تھا — اُس دلِ مبتلا کی باتیں ہیں
ہم جلیسو! دعا کا ہے ہنگام — کس لئے اب دوا کی باتیں ہیں
دل پہ کیا کچھ گزر گئی ہوگی — یہ جو ترکِ وفا کی باتیں ہیں

خاںؔ احوالِ عاشقی ہے غزل
دلِ دردآشنا کی باتیں ہیں



دشنہ و خنجر و شمشیر کہاں تک آخر
یہ کرم اے بتِ بے پیر کہاں تک آخر

غیر سے یوں شکر و شیر کہاں تک آخر
میری چاہت کی یہ تحقیر کہاں تک آخر

کھینچوں اس شوخ کی تصویر کہاں تک آخر
جائے خاموشی ہے تقریر کہاں تک آخر

لالہ و گل کی یہ تخمیر کہاں تک آخر
دل کے داغوں کی یہ تشہیر کہاں تک آخر

بارِ غم اُس پہ یہ آہوں کے مسلسل جھونکے
دل کی قائم رہے تعمیر کہاں تک آخر

اپنی ہی شمعِ شبستاں کی زبانی سُن لو
ہم کریں سوز کی تفسیر کہاں تک آخر

دیکھیں کیا حال ہو وحشی کا بہار آنے تک
روک پائے گی یہ زنجیر کہاں تک آخر

لکھیں اک نامہ اُنھیں خونِ جگر سے دیکھیں
بے اثر ہوتی ہے تحریر کہاں تک آخر

اس قدر تلخ کلامی لبِ شیریں اے دوست
زیب دیتی ہے یہ تقریر کہاں تک آخر

باز آ اب تو تغافل سے تماشا نہ بنا
قتلِ بسمل میں یہ تاخیر کہاں تک آخر

خارؔ کر ناخنِ تدبیر سے زخموں کو ہرا
اِس طرح شاکرِ تقدیر کہاں تک آخر



تیری یاد دل میں ہے دم بدم، تیرا نام لب پہ مدام ہے
ہے نظر کہ حسرتِ دید میں نگراں سوئے در و بام ہے

مجھے خود بھی اس کی خبر نہیں، میں کہاں ہوں کیا یہ مقام ہے
کہ نہ دل میں آپ کی یاد ہے، نہ زباں پہ آپ کا نام ہے

ہے شعار غفلت و کج روی، ہوئی کیا عنایتِ خسروی
کیا اسی کا نام ہے دلبری، نہ سلام ہے، نہ پیام ہے

ہوا جب سے یار پہ مبتلا، مرے دل کو جانے یہ کیا ہوا
کہ بمثلِ وعدۂ دلربا، نہ قرار ہے، نہ قیام ہے

دمِ سرد ہے، کبھی آہ ہے، کبھی اشک آنکھوں سے ہیں رواں
بھلا کیسے کیسے کٹے گی شب کہ یہ حال تو سرِ شام ہے

ہیں جنابِ عشق کی برکتیں، ہیں کچھ آپ کی بھی عنایتیں
یہ جو دن کا چین ہے منقطع، یہ جو شب کی نیند حرام ہے

تجھے کیا ہوا مرے ساقیا، نہیں کیوں وہ لطفِ نظر ترا
نہ وہ قہقہے، نہ وہ چہچہے، نہ وہ دورِ ساغر و جام ہے

ہے گلوں کا رنگ اڑا اڑا، ہے نسیم باغ خجل خجل
ہیں زمیں میں سرو گڑے گڑے کہ وہ شوخ مستِ خرام ہے

یہ حریمِ ناز ہے، روبرو کہیں جس کو قبلۂ آرزو
یہاں آبِ اشک سے وضو یہاں جذبِ عشق امام ہے

تو ستم بروں زِ حساب کر، مجھے چاہے جتنا خراب کر
جو رضا ہو قتل شتاب کر، یہ غلام پھر بھی غلام ہے

سوئے قتل گاہ گیا ہے وہ لئے تیغ قاتلِ خوش ادا
چلیں خاکؔ آپ بھی سر بکف کہ سنا ہے دعوتِ عام ہے



دم دلاسوں میں رکھا دم بھی نکلنے نہ دیا
کشتۂ ناز جو سنبھلا تو سنبھلنے نہ دیا

اُف تغافل کہ تصور میں بھی آنے سے گریز
دو گھڑی یوں بھی میرے جی کو بہلنے نہ دیا

کیا عجب کوئی سکوں کا بھی نکلتا پہلو
کیا کریں درد نے پہلو ہی بدلنے نہ دیا

زیرِ دیوار پڑے تھے جو اٹھایا اُس نے
ضعف نے چار قدم بھی ہمیں چلنے نہ دیا

بزم میں درپئے تشہیر تھی شوخی اُن کی
وہ تو کہیے دلِ ناداں کو مچلنے نہ دیا

سنگِ طفلاں بھی سہے منتِ درباں بھی کی
ہوسِ دید نے در سے تیرے ٹلنے نہ دیا

خاؔر کیا جانیے کیا بیر ہے اِس دنیا کو
گلشنِ عشق کبھی پھولنے پھلنے نہ دیا



ہے منہ دیکھے کی چاہت گو یقیں ہے ‏ کہیں کیا بات کہنے کی نہیں ہے

طوافِ کوئے دلبر حجِ اکبر ‏ محبت حاصلِ دنیا و دیں ہے

اِسے کرتا ہے سجدے آسماں بھی ‏ ارے یہ کوئے جاناں کی زمیں ہے

نباہا خوب پیمانِ محبت ‏ بتِ پیماں شکن صد آفریں ہے

مقدر آزمانے پر تلا ہوں ‏ اب اُس کا آستاں ہے اور جبیں ہے

نہ ہو دل ہی تو کیسا دردِ جاناں ‏ مکاں کے ساتھ وابستہ مکیں ہے

ہمیں کب اُس پریرُو سے ہوا فیض ‏ فلک کیوں ہم سے آمادہ بہ کیں ہے

کبھی جو یاے دل تھی اور دل جُو ‏ نگاہِ یار جوابِ نکتہ چیں ہے

بہ زیرِ آسماں کیا کچھ نہ دیکھا ‏ عذابِ گور اگر زیرِ زمیں ہے

وہ ٹھٹکے ہیں عجب کیا ہے ٹھہر جائیں ‏ تیرا احساں نگاہِ واپسیں ہے

اگر اب بھی جفا سے باز آئے
تو پھر بندہ تیرا خاکِ حزیں ہے



نور ہی نور تھا اُس کے لبِ بام آتے ہی
ماہِ نو کٹ سا گیا ماہِ تمام آتے ہی

حسن نے گھر کیا آنکھوں میں، ادا نے دل میں
سمجھا مہمان نے آئینِ قیام آتے ہی

دیکھیے وصل میں کمبخت کا کیا عالم ہو
بلیوں اچھلا ہے دل وعدے کی شام آتے ہی

اب یہ دھڑکا ہے بتِ وعدہ شکن آئے نہ آئے
کیوں تصدق نہ ہوئے اُس کا پیام آتے ہی

واہ اعجاز تری لال پری کا ساقی
ہم سلیمان بنے ہاتھ میں جام آتے ہی

مسکراتے ہوئے بیمار نے دم توڑ دیا
مشکل آساں ہوئی اُن کا سلام آتے ہی

اس طرح تیغِ دو دستہ سے کیا قتل اُس نے
ہاتھ کانوں پہ دھرے خاسرا کا نام آتے ہی



مردِ میداں ہو تو حالات پہ چھاتے جاؤ
یعنی ہر غم کو غمِ دوست بناتے جاؤ

کشتۂ ناز کی توقیر بڑھاتے جاؤ
اپنے ہاتھوں سے کفن اُس کو پہناتے جاؤ

اپنی آغوشِ محبت میں جگہ دو ورنہ
مجھ کو آغوش میں تربت کی سلاتے جاؤ

خود گلا کاٹ کے مرنے کا ارادہ تھا آج
آ گئے ہو تو ذرا ہاتھ بٹاتے جاؤ

یار آئے گا نہ وعدے پہ تو موت آئے گی
مصلحت اس میں ہے دونوں کو بلاتے جاؤ

ہم کو شکوہ نہیں گر دل نہیں ملتا نہ ملے
ہاں مگر بزم میں آنکھیں تو ملاتے جاؤ

دل چراتے کا یہ مطلب تو نہیں ہے صاحب
دیدہ دانستہ اب آنکھیں بھی چُراتے جاؤ

پاک دامانی ہے سب بندِ قبا سے ظاہر
تم مرے سر کی قسم شوق سے کھاتے جاؤ

غمِ امروز بہت ہے غمِ فردا نہ کرو
غمِ دیروز کو بھی دل سے بھلاتے جاؤ

میکشو! مژدہ کہ پھر فصلِ بہار آئی ہے
جام بھر بھر پیو، ساقی کو پلاتے جاؤ

پھوڑ لیں خارِ اسی طور پہ پھپھولے دل کے
حالِ دل وہ نہ سنیں تم تو سناتے جاؤ



دیکھتا رہتا ہوں میں تیری غزالی آنکھیں
دیکھ تو بھی تو ذرا میری سوالی آنکھیں

نشۂ مے ہے بجا نے کہ ترا جوشِ شباب
سرخ ڈوروں نے تیری کی ہیں گلالی آنکھیں

چشمِ آہو سے نہ نرگس سے ہے تشبیہ درست
ہیں مثال آپ ہی اپنی وہ نرالی آنکھیں

برہمی حسن کو کچھ اور جِلا دیتی ہے
وہ جمالی تیرا چہرہ وہ جلالی آنکھیں

قتلِ عاشق کے لئے کند چھُری ہوں جیسے
ہائے شرمائی، لجائی وہ وصالی آنکھیں

چاہنے والوں نے چومی ہیں، اتارے صدقے
چشمِ بد دُور تیری نازکی پالی آنکھیں

دردِ دل اُس سے بیاں کیجئے کہ عرضِ مطلب ہے
ہے عجیب بات دکھاتا ہے وہ خالی آنکھیں

ساقیا تیرا بہر طور ہے فیضانِ نظر
بھر کے دیتی ہیں پیالی پہ پیالی آنکھیں

دل کو ان کالی بلاؤں سے بچائیں کیسے
خالِ مشکیں، یہ سیہ زلف، یہ کالی آنکھیں

آ کے ہر روز تصوّر میں بنا جاتی ہیں
ایک رنگین سی تصویرِ خیالی آنکھیں

خط پڑھے یا نہ پڑھے آئے نہ آئے وہ شوخ
خاؔر کیوں بھیج نہ دیں دیکھنے والی آنکھیں



بتِ نامہرباں ہے اور میں ہوں
دلِ نوحہ کناں ہے اور میں ہوں
وفا کا امتحاں ہے اور میں ہوں
وہ میرا مہرباں ہے اور میں ہوں
نگاہِ گرم پھر سے ہے دل کی جانب
زباں پر الاماں ہے اور میں ہوں
خریدارِ وفا کوئی نہیں اب
یہ اک جنسِ گراں ہے اور میں ہوں
بہر صورت گزرتا ہے زمانہ
میری عمرِ رواں ہے اور میں ہوں
بہت آگے گئے یارانِ شاطر
غبارِ کارواں ہے اور میں ہوں
نہ جانے خاکسار راس آئے یا نہ آئے
نیا دورِ زماں ہے اور میں ہوں



کیسے روکیں اس مے الفت کے مستانے کو ہم
ناصحا سمجھائیں کیوں کر دل سے دیوانے کو ہم
ہوش مندی رکھ لیا دیوانگی کا اپنی نام
توبہ توبہ لائیں کیا خاطر میں فرزانے کو ہم
بھول کر وہ۔حور وش دم بھر کو آجائے اگر
غیرتِ فردوس سمجھیں اپنے غم خانے کو ہم
کیا بتائیں کس قدر کھاتے ہیں دل میں پیچ و تاب
تری زلفوں سے اُلجھتا دیکھ کر شانے کو ہم
کام ہمت کا ہے جل مرنا پرائی آگ میں
جانتے ہیں قابلِ تقلید پروانے کو ہم
تا کجے تکتے رہیں میخانے میں جامِ تہی
آج بھر لیں زندگی کے کیوں نہ پیمانے کو ہم
خوب موقع خاص افتادِ محبت نے دیا
آزما کر دیکھتے ہیں اپنے بیگانے کو ہم



نفس نفس میرا باغ و بہار اب بھی ہے
کہ تو نہیں تو تیرا انتظار اب بھی ہے
فریب خوردۂ رنگِ بہار اب بھی ہے
کہ دل فریفتۂ حسنِ یار اب بھی ہے
نہ ہم کلیم نہ وہ بزمِ ناز طور مگر
حضورِ دوست نظر شرمسار اب بھی ہے
وہ ترکِ مہر و وفا ترکِ رسم و راہ کریں
دلِ ستم زدہ کو اُن سے پیار اب بھی ہے
کریں گے عرضِ تمنّا سے اب حذر ہم بھی
کہ دل پہ اتنا ہمیں اختیار اب بھی ہے
گئی ہے رات وہ آتے تو آ گئے ہوتے
وہ آئیں گے یہ ہمیں اعتبار اب بھی ہے
جو تم نوازو تو کیا عذر بندگی میں اُسے
تمہارا بندۂ بے دام خاکسار اب بھی ہے



ساغر و جام تکلف ہے اُٹھا لے ساقی!
آج تو آنکھوں ہی آنکھوں میں پلا لے ساقی!
کیا بڑی بات ہے تیرے لبِ میگوں کے لئے
آج بے بادہ و بے جام چھکا لے ساقی!
تلخ کامیِ محبت کا مزا آجائے
جام میں ایسی کوئی چیز ملا لے ساقی!
ہو گیا ہو گا میرے ظرف کا قائل تو بھی
بارہا تو نے کسوٹی پہ کسا لے ساقی!
ابنِ مریم میں وہ کیا بات تھی جو تجھ میں نہیں
تیرے صدقے، دلِ مردہ کو جِلا لے ساقی!
مجھ کو دینی ہو جو گستاخ نگاہی کی سزا
چشمِ مخمور سے تو تیر چلا لے ساقی!
اور بھی لطف دوبالا ہو اُٹھا چنگ و رباب
خاکسار قربان ہو دو بول سنا لے ساقی!



آپ نے دیکھا کرشمہ آہ کی تاثیر کا
ہو گیا چھلنی کلیجا آسمانِ پیر کا

ہائے وہ اندازِ محبوبی، وہ شانِ دلبری
کوئی پوچھے ہم سے عالم یار کی تصویر کا

اور کیوں عائد ہوں پابندِ وفا پر بندشیں
بوجھ کیوں ڈالو اسیرِ زلف پر زنجیر کا

مجرمِ الفت کو دیجیے گا سزا یہ سوچ کر
روزِ اوّل سے ہے پتلا آدمی تقصیر کا

ہو زبانی عرضِ مطلب لکھیں خطِ شوق بھی
ایک تانتا باندھ دیں تقریر کا تحریر کا

ہم نے چشمِ یار کی زد سے بچایا تھا جگر
دل میں چٹکی لے گیا سوفار اُس کے تیر کا

خاکؔ لطفِ زیست جب ہے پُرتگالی ہو شراب
اور ساقی خوروش ہو خطۂ کشمیر کا



عشق کی کارسازیاں توبہ
اُن کی عاشق نوازیاں توبہ
نگہِ التفات ہے قاتل
حسن کی عشوہ سازیاں توبہ
قدِ موزوں تیرا قیامت ہے
اُس پہ گیسو درازیاں توبہ
آپ کی بیوفائیاں معلوم
آپ کی بے نیازیاں توبہ
ہائے رے سرد مہریِ عالم
چرخ کی کینہ سازیاں توبہ
نگہِ شرمگیں فریب تیرے
پھر تیری پاکبازیاں توبہ
تجھ سے سمجھے کوئی بتِ سفاک
خارؔ یہ عشق بازیاں توبہ



ایک لغزش نے نوجوانی کی
ہائے دشوار زندگانی کی
خونِ دل خونِ آرزو و امید
سرخیاں ہیں میری کہانی کی
تم سلامت رہو خدا رکھے
ہم پہ کیا کچھ نہ مہربانی کی
تو پشیماں نہ ہو جفا کر کے
میں نے قربان زندگانی کی
خاکؔ اب اپنے دن گزرتے ہیں
آس پر مرگِ ناگہانی کی



شوق ہے بادیہ پیمائی کا
عشق ہے لالۂ صحرائی کا

حوصلہ دیکھ تماشائی کا
دیکھا عالم تیری انگڑائی کا

پر نکالے ہیں پریزادوں نے
ہے بہانہ اُٹھیں انگڑائی کا

ہم نے فرزانوں کی باتیں بھی سنیں
نام بدنام ہے سودائی کا

ایک ٹکڑا ہے فغانِ بلبل
داستانِ غمِ تنہائی کا

لبِ جاں بخش کا اعجاز دکھا
بول بالا ہو مسیحائی کا

بولے یہ وصفِ خداوندی ہے
کیوں برا مانتے "ہرجائی" کا

دل نے آئینہ دکھایا اُن کو
زعمِ باطل کیا یکتائی کا

ہے امیں حرمتِ در کا تیری
نقش یہ میری جبیں سائی کا

ہوئے اوجھل وہ دکھا کر جلوہ
اب تماشا ہے تماشائی کا

نالۂ غم پہ ملا ہے الزام
خارِ بے وقت کی شہنائی کا



نازبرداروں میں شامل نہیں ہونے پاتے
مدّعی مدِ مقابل نہیں ہونے پاتے

نگہِ ناز کے بسمل نہیں ہونے پاتے
کون سے دل ہیں جو گھائل نہیں ہونے پاتے

وہ خرابات ہے یہ میکدۂ عشق یہاں
وہی غافل ہیں جو غافل نہیں ہونے پاتے

کعبہ و دیر کی راہوں میں بھٹکنے والے
کبھی آسودۂ منزل نہیں ہونے پاتے

وجہِ آبادیِ دل ہیں میرے ارمان مگر
وجہِ آسودگیِ دل نہیں ہونے پاتے

دل سے مٹتے ہی نہیں اگلی وفاؤں کے نقوش
اُن کے جادو ہیں کہ باطل نہیں ہونے پاتے

دل پہ گرتے ہیں مرے برقِ تجلّی بن کر
وہ حجابات جو حائل نہیں ہونے پاتے

باعثِ زینتِ محفل ہیں ترے کشتۂ ناز
باعثِ رونقِ محفل نہیں ہونے پاتے

بحرِ زخّارِ محبت میں سفینے دل کے
کبھی منّت کشِ ساحل نہیں ہونے پاتے

ہے یہ پاسِ ادبِ حسن، یہ خودداریِ عشق
تیرے طالب کبھی سائل نہیں ہونے پاتے

خاکؔ وہ دل نے اٹھائے ہیں مزے فرقت میں
وصلِ جاناں میں جو حاصل نہیں ہونے پاتے



کہا کسی نے کہ ہے چھلاوہ، کسی نے تشبیہ دی پری سے
وہ آج محفل میں جلوہ آرا ہوئے ہیں اس شانِ دلبری سے
کوئی اشارہ نہ کچھ کنایہ کہی ہے اک بات سادگی سے
ابھی ہو ناداں نصیب اعدا کہیں اٹھاؤ نہ زک کسی سے
نہیں کہ دل آشنا نہیں ہے رموز و آدابِ عاشقی سے
کچھ اس میں ترکِ وفا نہیں ہے اٹھائیں گر ہاتھ زندگی سے
لیا کفِ پا کا میں نے بوسہ کچھ اس میں ترکِ ادب نہیں تھا
چلو ہٹاؤ قصور میرا خطا بھی ہوتی ہے آدمی سے
مریض کا اب لبوں پہ دم ہے شفا کی امید اس کی کم ہے
جواب بھی آؤ بڑا کرم ہے کہ سانس ہیں چند آخری سے
نہیں بھلے اُن کے طور یہ بھی کوئی بلا ہوگی اور یہ بھی
نہ ہو کوئی طرزِ جور یہ بھی کہ آگئے باز کجروی سے
بڑا ہی پُر لطف ہوگا منظر، کریں گے اس دم سلام جھک کر
کہ دیکھتے ہو گے پیشِ داور ہمیں پشیماں سے ملتجی سے
ملے گا اغیار کو بہانہ اٹھائے گا انگلیاں زمانہ
جنھیں ہے پاسِ وفا یہ مانا وہ منہ نہ موڑیں گے بندگی سے
سوال سائل کا یوں نہ موڑو جواب سے اُس کا دل نہ توڑو
دلِ شکستہ کو بلکہ جوڑو، تم اپنے الطافِ خسروی سے
سنائیں کیا ماجرائے الفت ہے ایک عالم میں اس کی شہرت
تمہارے جلوے ہماری وحشت ہیں دیدنی سے شنیدنی سے
عجیب ہے روگ عاشقی کا، کرے بھی کوئی تو کیا مداوا
نہ خاکسؔ ایسا مریض دیکھا تڑپ اٹھے دردکی کمی سے



حسینوں کے کرم کو رحمتِ یزداں بھی کہتے ہیں
یہی جنت ہے اِس کو کوچۂ جاناں بھی کہتے ہیں
وہی عیسیٰ نفس جس پر ہمارا دم نکلتا ہے
اُسی کو پیار سے ہم قاتلِ دوراں بھی کہتے ہیں
ہے زلفِ یار سے دار و رسن کی داستاں زندہ
چمن والے اسی کو سنبلِ پیچاں بھی کہتے ہیں
بیانِ خستہ حالی نرگسِ بیمار کرتی ہے
ہمارا قصۂ غم بلبلِ بُستاں بھی کہتے ہیں
سلگ اٹھتے ہیں دل محفل میں ہوتی ہے جدھر گردش
تری برقِ نظر کو شعلۂ رقصاں بھی کہتے ہیں
کبھی ہے ذکر بلبل کا، کبھی پروانے کا چرچا
وفا کی داستاں عشاق اِس عنواں بھی کہتے ہیں
اسی کا نام رکھا ہے خرد والوں نے فصلِ گل
جنوں پیشہ اسی کو موسمِ زنداں بھی کہتے ہیں
اُسی سے دردِ دل کہتے ہیں اُس کی ہی پرستش ہے
پھر اُس کو دشمنِ دل، دشمنِ ایماں بھی کہتے ہیں
ترے جلووں کا عالم آئینہ خانہ میں کیا ہوگا
کچھ اس کا حال میرے دیدۂ حیراں بھی کہتے ہیں
نہیں ہے فرقِ ہجر و وصل دل یکساں ہی جلتا ہے
ہجومِ آرزو کو آگ کا طوفاں بھی کہتے ہیں

چھپی ہے خاکِ دل میں عشق کی خاموش چنگاری
ہمیں آتش بجان و سوختہ ساماں بھی کہتے ہیں



دردِ دل اُن سے بیاں کرتے ہیں
داغ سینے کے عیاں کرتے ہیں

ہم کو رونا تو یہی ہے ہمدم
اب جفائیں بھی کہاں کرتے ہیں

لطفِ ساقی کی طلب ہے جن کو
خدمتِ پیرِ مغاں کرتے ہیں

حسن کے ہم ہیں پرستاروں میں
طاعتِ گُل بدناں کرتے ہیں

اک وظیفہ ہے کہ ہے نام ترا
روز و شب وردِ زباں کرتے ہیں

دیکھ کر ناصحِ مشفق بھی اُسے
حسرتِ عشقِ بتاں کرتے ہیں

جان دیتے ہیں عوضِ بوسے کے
گرچہ سودا ہے گراں کرتے ہیں

کب ترے کوچے کے آسودۂ خاک
ہوسِ باغِ جناں کرتے ہیں

اِس قدر بزم میں بیباک نہ ہو
لوگ کچھ اور گماں کرتے ہیں

ہیں جگر پارے یہ اشعار نہیں
نذرِ صاحب نظراں کرتے ہیں

خارؔ جن کو نہیں جینے کا شعور
زندگی صرف فغاں کرتے ہیں



اب ہمارا نشۂ اُلفت دوبالا ہوگیا
اُس بت کافر کے دل میں درد پیدا ہوگیا
وعدۂ مہر و وفا جانا کہ پکّا ہوگیا
آپ نے دیدی زباں اب قول سچّا ہوگیا
کیا خبر تھی دل لگی ہو جائے گی دل کی لگی
چھیڑ سے الفت ہوئی، الفت سے سودا ہوگیا
یوں نہ ٹھٹکو راہ میں، چہرہ نہ ہاتھوں سے چھپاؤ
آؤ، آجاؤ، بس اب عاشق سے پردا ہوگیا
واہ ری شانِ تغافل اب عیادت کو چلے
گرمیٔ ہجراں سے جب بیمار ٹھنڈا ہوگیا
آئے، آکر مسکرائے رکھ دیا سینے پہ ہاتھ
چارہ گر دیکھا کیے بیمار اچھا ہوگیا
شامِ وعدہ پاؤں میں مہندی لگائی یار نے
خاتمہ خونِ آرزو خونِ تمنّا ہوگیا



اُسی کی داستانیں ہیں، اُسی کی قصّہ خوانی ہے
وہ لطف خاص جو مجھ پر تیرا اے یارِ جانی ہے

تپِ فرقت میں جلتے ہیں یہ کوئی زندگانی ہے
کسی دن کھا کے کچھ سو جائیں گے یہ جی میں ٹھانی ہے

بہارِ باغ کی ہم پلّہ یہ مانا جوانی ہے
مگر ناداں بہارِ باغ بھی تو آنی جانی ہے

نہ جا! ظالم ابھی تو تشنۂ دیدار ہیں آنکھیں
ذرا دم لے ابھی تو داستانِ غم سناتی ہے

بتِ پیماں شکن تیرے نہ آنے سے شبِ وعدہ
تجھے ہم کیا بتائیں، دل میں کیا کیا بدگمانی ہے

کہاں سے آئے گھبرائے ہوئے بولو تو کیا گزری
کہ کاکل ہیں پریشاں رنگِ رخ بھی زعفرانی ہے

محبت زلف کا آسیب، جادو ہے نگاہوں کا
محبت فتنۂ محشر بلائے آسمانی ہے

ہوئے ہیں صورتِ تصویر، چپ سکتہ کا عالم ہے
زبانِ حال سے گویا ہماری بے زبانی ہے

تمہارے رنگِ رخ سے گل ہوئے گلشن میں شرمندہ
ہمارا جوشِ گریہ دیکھ شبنم پانی پانی ہے

بجھی حسرت کا نوحہ ہے، دلِ مرحوم کا ماتم
بہ الفاظِ دگر یہ شعر خوانی سوز خوانی ہے

گھرانہ ہے ہمارا داغ کا، ہم دلّی والے ہیں
زمانہ میں مسلّم خاتم اپنی خوش بیانی ہے



وفا و عجز کی بخشش ہے آگہی ہم نے
سکھائے حسن کو آدابِ عاشقی ہم نے

بُری گھڑی تھی کوئی جب یہ بھول کی ہم نے
کہ دل لگانے کو سمجھا تھا دل لگی ہم نے

ہر ایک چاہے کہ مدِّ نظر بنے اُن کا
یہ بزمِ نازِ بتاں دیکھی ہم سا ہی ہم نے

وہ سایۂ زلفوں کے وہ بوسہ ہائے عارض و لب
وہ دن بھی تھے کہ بسر اس طرح بھی کی ہم نے

ستم تو یہ ہے ستمگر کہ پھر بھلا نہ ہوا
سُنی بھی تیرے لئے ہر بُری بھلی ہم نے

ہے ایک تو کہ ہمارا شریکِ غم نہ ہوا
رکھی عزیز ہمیشہ تیری خوشی ہم نے

جو سر پہ مار لیا تیشہ کیا کمال کیا
ترے فراق میں کاٹی ہے زندگی ہم نے

شباب، حسن و نزاکت، خم و گداز، لچک
ترا بدن ہے کہ لکھی ہے مثنوی ہم نے

گلے سے لگ ہی گئے اُن کو پیار آ ہی گیا
تڑپ تڑپ کے جو دل کی لگی کہی ہم نے

عطا کیا ہے اُسے رتبۂ خداوندی
کچھ اس خلوص سے کی اُس کی بندگی ہم نے

غمِ فراق میں اکثر اُسے پکارا ہے
جو خارِ درد میں پائی ذرا کمی ہم نے



جو رسمِ عاشقی سے نہیں بہرہ ور نہ جائے ہے بارگاہِ حسن کوئی خود نگر نہ جائے
جب تک یہ سر ہے سر سے ترا دردِ سر نہ جائے یہ دردِ دل نہ کم ہو یہ دردِ جگر نہ جائے
الفت کا وہ نشہ ہے کہ آٹھوں پہر نہ جائے ممکن ہے بیش و کم تو ہو لیکن اثر نہ جائے
ہو دیدہ ور تو بھول کے بھی اس ڈگر نہ جائے الفت کا روگ جس کو لگے عمر بھر نہ جائے
یہ آنسوؤں کا تار نہ ٹوٹے دلِ حزیں یعنی یہ موتیوں کی لڑی ہے بکھر نہ جائے
دونوں کے ہی بگڑنے میں یک گونہ ہے بناؤ برہم رہے مزاج بھی گیسو سنور نہ جائے
بے وقت لگ نہ جائے کہیں چاند کو گہن بالائے بام کہہ دو وہ رشکِ قمر نہ جائے
ہشیار باش دل کی لگی دل لگی نہ ہو خنجر ادا و ناز کا دل میں اتر نہ جائے
دل کی یہ ضد کہ لے کے چلوں بزمِ ناز میں مجھ کو یہ ڈر کہ پھر کہیں وحشی بپھر نہ جائے
آنسو نہیں متاعِ دلِ دردمند ہے جوہر شناس تم ہو تو قدرِ گہر نہ جائے

اے خار یہ ہے حسنِ عقیدت کا اقتضا
اک در کا ہو کے بیٹھ رہے دربدر نہ جائے



جنوں میں کام کیا آئین خرد والوں کی تدبیریں
چلا زنداں سے وحشی وہ پڑی ہیں اُس کی زنجیریں

درِ جاناں پہ ہم سو سال گھستے اپنی پیشانی
جبیں سائی سے مٹ سکتیں اگر قسمت کی تحریریں

تمہیں مختاریاں، عشاق کو مجبوریاں حاصل
یہی مختاریاں، مجبوریاں کہلائیں تقدیریں

ستم گر دیکھتے ہی خواب کیوں، تیری محبت کا
اگر معلوم ہوتا تلخ ہوں گی اتنی تعبیریں

کچھ ایسے نقش محکم ہیں تیری اگلی وفاؤں کے
کہ تیرے جور سے بھی اب نہیں مٹتیں یہ تصویریں

جفا کرنے سے پہلے اے جفا جُو یہ بھی سوچا تھا
دلِ عشاق کی نازک بہت ہوتی ہیں تعمیریں

جسارت آنکھ نے کی دل نے بھگتا اُس کا خمیازہ
گریں برقِ بلا بن کر جمالِ رخ کی تنویریں

نظر کے تیر، خنجر ابروؤں کے، سوزنِ مژگاں
تماشائی کو جرمِ دید پر کیا کیا ملیں تعزیریں

کسے معلوم تھا ہمدم، زمانہ یہ بھی آئے گا
نگاہِ یار کیا بدلیں گی آہوں کی بھی تاثیریں

خموشی ہی ہماری کام کر جائے تو کر جائے
حضورِ دوست آئیں کام تحریریں نہ تقریریں

دیا دل، جان چھڑکی، ناز اٹھائے، کیا قصور اُن کا
ہمیں تو خاد آتی ہیں نظر اپنی ہی تقصیریں



وہ قدِ کشیدہ ہے کہ تلوار ہو جیسے — وہ نوکِ پلک نشتر و سوفار ہو جیسے
آنکھوں میں وہ ڈورے کوئی سرشار ہو جیسے — رفتار کہ بکھرا ہوا میخوار ہو جیسے
ختم اُن پہ ہی شیرینیٔ گفتار ہو جیسے — انکار میں وہ لطف کہ اقرار ہو جیسے
رشکِ مہ و خورشید ہے وہ روئے کتابی — وہ عنبریں زلفیں کہ شبِ تار ہو جیسے
اُبھرے ہوئے سینہ پہ وہ بکھری ہوئی زلفیں — پُر ابر کوئی وادیٔ کہسار ہو جیسے
یوں دیکھ رہے ہیں وہ کنکھیوں سے سرِ بزم — در دیدہ نظر دل کی طلبگار ہو جیسے
ہم رعب سے وہ شرم سے خاموش ہیں اِس طور — خلوت میں بھی حائل کوئی دیوار ہو جیسے
دیکھے تو کوئی حرفِ تمنا پہ بگڑنا — سچ مچ ہی اُنھیں وصل سے انکار ہو جیسے
حسرت سے تجھے دیکھ رہی ہے دمِ گلگشت — نرگس بھی چمن میں تیری بیمار ہو جیسے
لو اور سنو، دل کے بھی اب ناز اٹھائیں — یہ بھی کوئی معشوق طرحدار ہو جیسے

یوں خارؔ کیا کرتا ہے اک بت کی پرستش
قشقہ بہ جبیں صاحبِ زُنّار ہو جیسے



پرسشِ احوالِ غم ہم سے بھری محفل میں ہے
مدعا یہ کہ نہ پائیں کیا ہمارے دل میں ہے

میں بتاؤں آپ کو کیا وصف میرے دل میں ہے
ایک جانِ آرزو اِس آرزو منزل میں ہے

تیری چاہت، تیرا غم، تیرا تصوّر دل میں ہے
یعنی دولت اِک جہاں کی کاسۂ سائل میں ہے

اِس طرف شوقِ شہادت سینۂ بسمل میں ہے
اور نزاکت سے اُدھر قاتل بڑی مشکل میں ہے

یوں تڑپتا ہے ہمارے دیدۂ پُرنم میں اشک
موجِ طوفاں خیز جیسے دامنِ ساحل میں ہے

ہجر کے صدمے سے مارے یا کرے غمزے سے قتل
جان یوں بھی اور یوں بھی قبضۂ قاتل میں ہے

دیکھنا ہے گر تو مقتل میں تماشہ دیکھئے
آب ہے خنجر میں کتنی تاب کتنی دل میں ہے

آگیا اُن میں جفا کا عیب آتے ہی شباب
داغ پیدا جس طرح ہوتا مہِ کامل میں ہے

ایک دن شاید کہ بر آئے یوں ہی امیدِ وصل
پہلوئے ایفائے وعدہ وعدۂ باطل میں ہے

کر رہا ہوں اِس لئے عرضِ تمنا بار بار
دل کو کچھ تسکین سی اس سعیِ لاحاصل میں ہے

بے وفا اے خاکؔ جیسے عشق والوں کی سرشت
حسن والوں کی جفا بھی اُن کے آب و گل میں ہے



بصد اندازِ محبوبی ادائے دلبری لے کر
وہ شامِ وعدہ آئے ہیں نشاطِ زندگی لے کر

تری محفل میں جیسے تشنہ لب آئے تھے اے ساقی
خدا شاہد ہے جاتے ہیں وہی تشنہ لبی لے کر

تیری یادوں سے ہم نے پھر سے سینے کو سجایا ہے
چراغاں کر رہے ہیں داغِ دل سے روشنی لے کر

معطر، روح پرور، کس کے کوچے سے ہو آئی
مہک سانسوں کی گدرائے بدن کی تازگی لے کر

یہ بزمِ ناز میں آکر ہوئی کا یا پلٹ کیسی
کہ آئے تھے خودی لے کر چلے ہیں بیخودی لے کر

تغافل نے کسی کے زندگی کا کیف چھینا تھا
جنوں حاضر ہوا سامانِ صد دلبستگی لے کر

میرے اشعار کیا ہیں خاکہ روداد محبت ہیں
غزل کہتا ہوں سازِ عشق و سازِ زندگی لے کر



نہ پوچھ اے ہمنشیں جانِ حزیں مشکل میں ہوتی ہے
بلا ہوتی ہے کوئی یا محبت یا دل میں ہوتی ہے
تڑپ رکھا گیا ہے نام شاید ربطِ باہم کا
نہ یہ خنجر میں ہوتی ہے، نہ یہ بسمل میں ہوتی ہے
حسینوں سے کہاں تک بے وفائی کا گلہ کیجیے
وفا ناآشنائی اُن کے آبِ گِل میں ہوتی ہے
خدا کی شان جس محفل میں کل تک جانِ محفل تھے
بڑی بے حرمتی اب جا کے اس محفل میں ہوتی ہے
اسے کہتے ہیں وحشتِ قیس، پھرتا ہے بیاباں میں
مگر وہ لیلیٰ محمل نشیں محمل میں ہوتی ہے
غرورِ حسن دیکھو دیکھ کر آئینہ کہتے ہیں
وہ ایسی کیا صفت ہے جو مہِ کامل میں ہوتی ہے
اسی کو اصطلاحِ عام میں الفت بھی کہتے ہیں
میٹھی سی خلش جو نہاں ہے بہم دل میں ہوتی ہے



جس قدر اب ہے کڑی اتنی یہ منزل تو نہ تھی
حدِّ امکاں سے بروں آپ کی محفل تو نہ تھی

ہم کو مارا ہے تو مارا ہے تغافل نے تیرے
بے وفا تیری جفا اتنی بھی قاتل تو نہ تھی

اس غمِ عشق میں تو زیست ہی دشوار ہوئی
ہم نے مانا کہ خوشی پہلے بھی حاصل تو نہ تھی

آپ کیوں دیکھ کے اپنا ہی سراپا شرمائے
آئینہ تھا کوئی شے اور مقابل تو نہ تھی

اپنی تصویر ذرا پھر تو دکھانا اک بار
ہم کو شک ہے وہ شبیہہ مہ کامل تو نہ تھی

یاد آیا ہے کہ الفت نہ ہوئی تھی اُن سے
زیست بے کیف تھی پر جرم میں داخل تو نہ تھی

وقتِ گلگشت سنا خاؔر کا نالہ تو کہا!
ایسی غمگیں کبھی فریادِ عنادل تو نہ تھی



شاد و آباد کون کرتا ہے
ترکِ بیداد کون کرتا ہے
گونج اٹھتے ہیں شب کے سناٹے
آہ و فریاد کون کرتا ہے
ہیں ہمیں ورنہ جور سہنے کو
سینہ فولاد کون کرتا ہے
یہ اسیرو! ہے کوئی تازہ ستم
ورنہ آزاد کون کرتا ہے
ہمسری حسن و ناز میں تیری
اے پریزاد کون کرتا ہے
قدِ موزوں کو لے کے انگڑائی
رشکِ شمشاد کون کرتا ہے
خاکؔ دیکھیں کہ قتل نامہ پر
اوّلیں صاد کون کرتا ہے



جب زیست میں لطفِ مرگ ملے، مرنے کی تمنا کون کرے
خود درد ہی اپنا درماں ہو تو درد کا چارا کون کرے

یہ زخم نظر کے تیر کے ہیں، ان زخموں کو اچھا کون کرے
یہ غم ہے دَین مسیحائی، اس غم کا مداوا کون کرے

یہ زخمِ دل یہ زخمِ جگر ہے آپ کا ہی توفیقِ نظر
دنیا سے تو پردہ ہے لیکن اب آپ سے پردا کون کرے

گو عشق ملا اس کافر کا، پر عشق کی ناکامی بھی ملی
اس دنیا سے ہم نے کیا پایا، اب دنیا دنیا کون کرے

صرف ایک نظر تو مول نہیں، ہونٹوں پہ تبسم تو آتا
اس دل کا تو سودا ہو نہ سکا، پھر جان کا سودا کون کرے

منسوب تو ان کے نام سے ہیں، یہ مانا کہ رسم و راہ نہیں
اُن کے اِس نازِ بیجا کا اب چار میں چرچا کون کرے

اے مخمور اب اس کا رونا کیا، دل پر جو گزری گزر گئی
یہ بات ہے یوں بھی آپس کی، اب یار کو رسوا کون کرے



بے غمِ عشق، زندگی بے کیف
گر نہ ہو درد، عاشقی بے کیف

تُرش روئی ادا سہی لیکن
گر نہ ہو مہر، دلبری بے کیف

ہم نے مانا ہزار نعمت ہے
یار بِن شغلِ میکشی بے کیف

تیری فرقت میں روز و شب تاریک
چاند سورج کی روشنی بے کیف

اپنے وعدے پہ وہ نہیں آئے
شب سہانی بھی ہو گئی بے کیف

تازیانہ ہے دل کو رشکِ رقیب
ہو نہ دشمن، تو دوستی بے کیف

جب سے اُس بے وفا نے مُنہ موڑا
زیست ہے خارؔ دہلوی بے کیف



خود فراموشیاں سرِ محفل
اُف وہ سرگوشیاں سرِ محفل
ہائے وہ تیری چشمِ بادہ فروش
میری مے نوشیاں سرِ محفل
چشمِ گستاخ کو ہیں آج بھی یاد
وہ خطا پوشیاں سرِ محفل
آپ کا وہ نقاب الٹ دینا
میری بے ہوشیاں سرِ محفل
ہیں ہمارے لیے بلائے جاں
مصلحت کوشیاں سرِ محفل
اب اُنہیں کیوں گراں گزرتی ہیں
میری خاموشیاں سرِ محفل
خون رُلوائیں گی ہمیں اے خمار
ان کی گل پوشیاں سرِ محفل



بے وفا اور بے مروّت، آشنا مانے گئے
حسن والے توڑ کر دل، دلربا مانے گئے

کافرانِ عشق کو دیر و حرم سے کیا غرض
قابلِ سجدہ فقط وہ نقشِ پا مانے گئے

کائناتِ عشق پر چھائے ہوئے ہیں اہلِ حسن
کچھ خدا مانے گئے، کچھ ناخدا مانے گئے

بت پرستی کی لگائی ہم پہ تہمت شیخ نے
آپ حوروں کی ہوس میں پارسا مانے گئے

تُرش رُوئی سے لگے محبوبیت میں چار چاند
یہ بتانِ کج ادا ہی خوش ادا مانے گئے

وصل کا وعدہ نہیں گو قتل کا مژدہ تو ہے
یہ بھی کیا کم ہے گنہ گارِ وفا مانے گئے

خالؔ کیا کیجیے کہ اب اُن سے بھی ہم محروم ہیں
وہ ستم جو زندگی کا آسرا مانے گئے



جگر دیکھو کہ نور و نار کی منزل سے گزرے ہیں
ہم اہلِ عشق حسنِ یار کی منزل سے گزرے ہیں

تڑپنے لوٹنے کا ماجرا عشاق سے پوچھو
جو اکثر انتظارِ یار کی منزل سے گزرے ہیں

اب اس جینے سے بڑھ کر اور لطف مرگ کیا ہو گا
گنوا کر زندگانی پیار کی منزل سے گزرے ہیں

پرانی ہو گئی تھی داستاں عنواں بدلا ہے
انا المحبوب کہہ کر دار کی منزل سے گزرے ہیں

خوشا طالع کہ راہ عشق میں اب وہ مقام آیا
کہ ہجر و وصل کی تکرار کی منزل سے گزرے ہیں

تقاضا ہے جنوں کا کیجیے آباد ویرانہ
کہ وحشی سایۂ دیوار کی منزل سے گزرے ہیں

وہ آئیں یا نہ آئیں خاص وعدہ بھی نہ فرمائیں
ہم اب اقرار اور انکار کی منزل سے گزرے ہیں



حیف مشکل کشا نہیں ہوتا
دردِ دل بھی سوا نہیں ہوتا

پاسِ آدابِ عاشقی توبہ
آہ کا حوصلہ نہیں ہوتا

دل نوازی ہے شرطِ دل داری
بے وفا دلربا نہیں ہوتا

ہم نے لاکھوں جتن کیے لیکن
بے وفا باوفا نہیں ہوتا

ہیں کچھ ایسے بھی بندگانِ خدا
جن کا کوئی خدا نہیں ہوتا

تم نے دل کو کبھی نوازا تھا
آج تک حق ادا نہیں ہوتا

آپ کا عکسِ رخ چرا کر بھی
آئینہ آپ سا نہیں ہوتا

ہے کچھ اُن کی بھی کارفرمائی
زخم یوں ہی ہرا نہیں ہوتا

ہیں جبھی تک یہ دل کے منصوبے
جب تلک سامنا نہیں ہوتا

وصلِ جاناں نہ مرگِ ناکامی
طے کوئی مرحلہ نہیں ہوتا

خاکؔ ناآشنا زمانے میں
کوئی بھی آشنا نہیں ہوتا



کس کو سنائیں دو گے کڑی دو گھڑی کے بعد
بستر پہ ہو گی لاش پڑی دو گھڑی کے بعد

اب بھی ہے وقت اب بھی چلے آؤ آ بھی جاؤ
بالیں پہ ہو گی موت کھڑی دو گھڑی کے بعد

اتنا ہنسیں نہ آپ میرے حالِ زار پر
اشکوں کی لگ نہ جائے جھڑی دو گھڑی کے بعد

محفل میں آکے ہوش سنبھالا نہ تھا ابھی
مرہی گئے جو آنکھ لڑی دو گھڑی کے بعد

پہلے یہ لعن طعن کہ بڑھ کے بہت نہ چل
ترکِ وفا کی اُس پہ جڑی دو گھڑی کے بعد

دیوانہ شوقِ دید میں حد سے گزر نہ جائے
لب پر جماتے رہنا دھڑی دو گھڑی کے بعد

کم فرصتی تو آپ کی برحق مرے حضور
آئے ہو بیٹھو جانا گھڑی دو گھڑی کے بعد

سنتے رہے بشوق میری عرض ناز سے
پھولوں کی پھر اُٹھائی چھڑی دو گھڑی کے بعد

خلوت ہوئی تو کیا ہوا اُس شوخ چشم کو
کیوں ہے نظر زمیں میں گڑی دو گھڑی کے بعد

دیکھو کہیں تڑپ نہ اُٹھو تم میری طرح
یعنی ہو میری بات بڑی دو گھڑی کے بعد

کیا پوچھتے ہو خاتمہ کا عالم بقولِ ذوق
سینے میں ہو گی سانس اڑی دو گھڑی کے بعد



الفت سے ہاتھ اٹھائیں گے یا زندگی سے ہم
اے دوست باز آئے تیری دوستی سے ہم

ڈرتے ہیں حدِ شوق میں بھی برہمی سے ہم
سو بار لوٹ آئے ہیں اُس کی گلی سے ہم

آنسو بھی اب ہیں خشک، کریں نذرِ یار کیا
محجوب ہو رہے ہیں فرومائیگی سے ہم

واللہ وہ تو غیر شعوری ہوئی تھی آہ
توبہ کہ منحرف تو نہیں بندگی سے ہم

دل پر عیاں نہ تھا تیری پُرکاریوں کا راز
کھایا کیے فریب بڑی سادگی سے ہم

دشمن سے دشمنی کی شکایت نہیں ہمیں
نالاں ہیں اپنے دوستوں کی دوستی سے ہم

تو ایک بار بندہ نوازی سے پیش آ
لکھیں ہزار خطِ غلامی خوشی سے ہم

زاہد فرشتہ ہے تو فرشتے کو کیا کریں
ہو آدمی تو بات کریں آدمی سے ہم

کیجیے بیانِ درد تو ہنس کر کہے وہ شوخ
واقف ہیں خوب آپ کی اس شاعری سے ہم

پہلی سی اب وہ شکل، وہ صورت نہیں رہی
عشقِ بتاں میں ہو گئے نادیدنی سے ہم

دل کانپتا ہے خاطرِ محبت کے نام سے
کچھ ایسی زک اٹھائے ہوئے ہیں کسی سے ہم



جو ناروا بھی روا ہے، روا کو کیا کہیے — اگر جفا ہی ادا ہے، ادا کو کیا کہیے

اٹھائیں ناز کریں سجدے، پھر بُرے کے بُرے — جو بندگی بھی خطا ہے، خطا کو کیا کہیے

ہے بحرِ عشق میں دل کا سفینہ دوست کے ہاتھ — وہ ناخدا ہی خدا ہے، خدا کو کیا کہیے

نہ پوچھ دل پہ گزرتی ہے وصل میں کیا کچھ — کرم بھی اُس کا بلا ہے، بلا کو کیا کہیے

اسیرِ زلف ہیں یوں بھی قتیلِ ناز و ادا — کسی کا لطف سزا ہے، سزا کو کیا کہیے

ہماری جان گئی، لی جو اس نے انگڑائی — خطائے بندِ قبا ہے، قبا کو کیا کہیے

اٹھائے ہاتھ جو میں نے تو مسکرا کے کہا — نہ جانے کیسی دعا ہے، دعا کو کیا کہیے

چرا کے لائی ہے بُو زلفِ عنبریں کی ضرور — مگر یہ چورِ صبا ہے، صبا کو کیا کہیے

عذابِ قبر سے بدتر ہے ہجر میں جینا — یہ زندگی ہی قضا ہے، قضا کو کیا کہیے

حضور آہ پہ کچھ اپنا اختیار نہیں — کہ یہ بھی ایک ہوا ہے، ہوا کو کیا کہیے

لجائے جاتا ہے وہ شوخ خار خلوت میں

بلائے جانِ حیا ہے، حیا کو کیا کہیے



ہر ایک بات پہ اچھی ہنسی نہیں ہوتی
حضور دل کی لگی دل لگی نہیں ہوتی

بغیر مہر و وفا دلبری نہیں ہوتی
کہ جیسے بوالہوسی عاشقی نہیں ہوتی

تمھیں بتاؤ یہ اندازِ دلبری کیا ہے
کہ دے کے دل تمھیں دل بستگی نہیں ہوتی

کہا کہ بندہ نوازی تمھیں بھی لازم ہے
کہا کہ صاف کہو بندگی نہیں ہوتی

کہا کہ حرفِ تسلّی کبھی تو غنچہ دہن
کہا رہینِ تکلّم کلی نہیں ہوتی

ہمیں تو ساقیِ محفل سے یہ شکایت ہے
کہ اُس کے دور میں بھی منصفی نہیں ہوتی

نہ پوچھ حالتِ بیمار، دونوں وقت ملے
یہ مختصر ہے کہ بس دیدنی نہیں ہوتی

رموزِ عشق سمجھتے ہیں کچھ تو دیوانے
بغیر کھوئے یہاں آگہی نہیں ہوتی

شہیدِ ناز کا ملنا نہیں خطاب اُسے
کہ جس نے جان محبت میں دی نہیں ہوتی

جو ہم سے پوچھو تو بے کیف ہے رہ بادہ عشق
کہ جس میں غم کی ذرا چاشنی نہیں ہوتی

دہن نہیں کہ دہن میں زباں نہیں اے خارؔ
حضورِ دوست مگر بات بھی نہیں ہوتی



احباب چپ ہیں صرف دعا چارہ گر ہے آج
المختصر کہ قصۂ غم مختصر ہے آج

الفت کا یہ بھی ردِ عمل طرفہ تر ہے آج
دیوانہ یعنی آپ ہی دیوانہ گر ہے آج

تیری ہی کوششوں کا یہ شاید ثمر ہے آج
اے چارہ سازِ دردِ جگر بیشتر ہے آج

بے اعتنائیوں کا گلہ حسن سے عبث
وہ کل بھی بے خبر تھا اگر بے خبر ہے آج

جی ہاں بجا ہے غیر نے جو کچھ کہا درست
اُس کا کہا ہی مستند و معتبر ہے آج

سجدے تڑپ رہے ہیں جبینِ نیاز میں
فرمانروائے شہرِ نگاراں کدھر ہے آج

قربان کیوں نہ دولت دنیا و دیں کریں
[illegible] اپنے خانہ [illegible] ہے آج



اُن سے احوالِ جانِ زار کہیں — وہ سنیں تو ہزار بار کہیں
عشقِ خوددار کو نہیں منظور — حالِ دل ہو کے بیقرار کہیں
اُف یہ بیچارگی و مجبوری — حیف اگر اس کو اختیار کہیں
باغِ عالم میں وہ ہوا نہ چلی — جس کو عشاق سازگار کہیں
ہم اسے پُر بہار کہتے ہیں — لوگ سینہ کو داغدار کہیں
ہے یہ آدابِ عاشقی کے خلاف — ماجرائے جفائے یار کہیں
کم نہیں تیغ و تیر و نشتر سے — وہ نظر جس کو شرمسار کہیں
داستاں زلف و عارض و لب کی — یا حدیثِ نگاہِ یار کہیں
چمپئی رنگ جیسے کندن ہو — کیوں نہ اُس بت کو زرنگار کہیں
یوں حمائل ہوں مرمریں باہیں — لوگ دیکھیں گلے کا ہار کہیں

نوکِ مژگاں کا کب ہوا ہے جواب
لاکھ اپنے کو آپ خار کہیں



کسی بہانے سے دشمن کو ٹالیے صاحب
نہ آستیں میں یہ سانپ پالیے صاحب

جھجک، حجاب، حیا، شرم سب ہیں نامحرم
حریمِ ناز سے اِن کو نکالیے صاحب

یہ ہاتھ اُٹھتے ہیں جو خنجر آزمائی کو
کبھی تو پیار سے گردن میں ڈالیے صاحب

خیالِ بوسہ سے رخسار و لب پہ نیل پڑے
یہ نازکی ہے تو وعدے پہ آلیے صاحب

جو ہوتا اور کوئی خون تھوکنے لگتا
ہمارا دم تھا کہ یہ ظلم اٹھا لیے صاحب

اب آئینے سے ہٹائیں نظر اِدھر دیکھیں
کہ اب تو آپ نے گیسو بنا لیے صاحب

چلے کہ وشتِ جنوں اب ہمیں پکارے ہے
فریبِ عشق بہت روز کھا لیے صاحب

خیالِ عارض و گیسو میں روز و شب کاٹے
نصیب سوئے ہوئے یوں جگا لیے صاحب

کلیجہ آپ کا ٹھنڈا ہوا، قرار آیا
عدو کے آپ نے بدلے چکا لیے صاحب

ہوس کا لوحِ دل اشکوں سے ہم نے دھو ڈالی
تھے چار حرفِ تمنا مٹا لیے صاحب

کسی بھی طور پہ پہنچ تو گیا ہے در تک خمارؔ
نحیف و زار ہے بڑھ کر سنبھالیے صاحب



تیرا جمالِ انجمن آرا چمن میں ہے
تُو انجمن میں ہے تو چمن انجمن میں ہے

ہم صوت، ہمنوا میرا بلبل چمن میں ہے
پروانہ غمگسار تیری انجمن میں ہے

تاکا ہے اُس نے اب کے جگر دل تو چھد چکا
جنبش پھر اُس کے دیدۂ ناوک فگن میں ہے

یہ اقتضا ہے شوق کا یہ رعب حسن کا
ہر بات دل کی دل میں دہن کی دہن میں ہے

زنجیر کیوں پہناتے ہیں مجنونِ عشق کو
وہ خود اسیرِ زلفِ شکن در شکن میں ہے

جور و ستم وہی ہیں، وہی کج ادائیاں
ہر چال آسمان کی تیرے چلن میں ہے

ہم کاٹتے ہیں ہجر کی راتیں پہاڑ سی
جو بات ہم میں ہے، وہ کہاں کوہکن میں ہے

مجنوں کی ہمسری کا ہے دعوہ ہر ایک کو
اک آدھ چاک کھینچ اگر پیرہن میں ہے

رکھیو نہ ہاتھ نبضِ مریضِ فراق پر
اک آگ چارہ ساز لگی تن بدن میں ہے

اپنی شبِ فراق کٹے، آئے روزِ وصل
گردش زمیں میں ایسی نہ چرخِ کہن میں ہے

جانا کہ دے چکے ہو کسی گُل بدن کو دل
بُو عاشقی کی خارؔ تمہارے سخن میں ہے



"پات ہرے ہیں، پھول کھلے ہیں، کم کم بادو باراں ہے"
باغ پہ دھوکہ ہوتا ہے یہ، جیسے شہر نگاراں ہے
دیوانوں نے جوشِ جنوں میں پھر پیراہن چاک کیے
بلبل چہکے، کوئل کوکی، آمدِ فصلِ بہاراں ہے
میٹھی میٹھی ہلکی سی باتیں، پھول بھی سن کر ہنستے ہیں
کچھ سرگوشی بادِ صبا کی، کچھ گلبانگِ ہزاراں ہے
پیرِ مغاں کی جود وعطا ہے، ساقی کی اعلیٰ ظرفی
رندوں کی بن آئی ہے یا کہیے عیدِ یاراں ہے
لغزشِ مستانہ کے صدقے، سر ہے پائے ساقی پر
مدہوشوں کا کام نہیں ہے، یہ کارِ ہشیاراں ہے
آتی ہیں ہُو حق کی صدائیں، کچھ گرتے ہیں سجدے میں
بھیڑ ہے اللہ والوں کی، یا یہ بزمِ میخواراں ہے
جیسے کثرتِ آتشِ گل سے آگ لگی ہو گلشن میں
جلتے ہیں عشاق کے دل، یہ محفلِ گل رخساراں ہے
عشق نہیں اب محض ہوس ہے، ذکر ہی کیا جانبازی کا
سُونی پڑی ہیں پیار کی گلیاں اب قحطِ دلداراں ہے
حال سدا رہتا ہے ابتر، اس جا سادہ لوحوں کا
دنیا اس کا نام ہے لوگو! یہ جائے عیاراں ہے
شانِ خدا کی، آج کا راجہ اندر ہے ابنِ آدم
چاند ستاروں کی دنیا میں، اب رقصِ طیاراں ہے
خاسر کہاں وہ میر کی دلی، جو اوراقِ مصور تھی
اب ہیں کچھ مکروہ سے منظر، مجمعِ دل آزاراں ہے



آیا چمن میں یار تو الٹا چلن ہوا
یعنی گلوں پہ مرغِ چمن خندہ زن ہوا

پروانہ انجمن میں میرا ہم سخن ہوا
گلشن میں ہم زبان میرا مرغِ چمن ہوا

خرقہ بدوش یا کوئی گل پیرہن ہوا
آخر لباسِ تن وہی دو گز کفن ہوا

پیوندِ خاک یار سبھی ایک دن ہوئے
ہم جیسا سخت جاں کہ کوئی گلبدن ہوا

سن شعور آیا تو چپ لگ گئی انھیں
آئی زبان منہ میں تو غائب دہن ہوا

یہ کل کی بات ہے کہ نہ تھا بات کا شعور
حیرت کی بات آج دریدہ دہن ہوا

گزرا جدھر سے بال پریشاں کیے وہ دوست
وہ راہ مشکبار وہ کوچہ ختن ہوا

بے صبر ہو کے میں نے بڑھایا جو دستِ شوق
بولے یہ عاشقی نہیں دیوانہ پن ہوا

نااہل تھا، چھپا نہ سکا رازِ عشق کا
منصور اس سے لائقِ دار و رسن ہوا

وہ بزمِ ناز کوچہ و بازار چھٹ گئے
مدّت ہوئی کہ اپنا بیاباں وطن ہوا

مانگیں دعائیں، منّتیں مانیں کیے سجود
اے خارؔ اُس کے واسطے کیا کیا جتن ہوا



بہر صورت ہیں ہم شیرینیٔ گفتار کے صدقے
تیرے اقرار کے صدقے، تیرے انکار کے صدقے
سراپا چشم ہیں ہم انتظار یار کے صدقے
ہمیں بخشا ہے یہ ذوقِ نظر دلدار کے صدقے
خوشا ذوقِ طلب اِس حسرتِ دیدار کے صدقے
ہوئے ہیں بام و در کے روزنِ دیوار کے صدقے
زہے قسمت کہ پروانہ صفت عشاق ہوتے ہیں
فروغِ حسنِ جاناں، گرمیٔ بازار کے صدقے
نوازش ہو، نوازے گر نگاہِ لطف سے اُس کو
تیرا بیمار تیری نرگسِ بیمار کے صدقے
قدم لے کر کلیجے سے لگاتے ہیں کبھی اُس کو
کبھی ہوتے ہیں ہم چشم و لب و رخسار کے صدقے
جہانِ آرزو میں حسن کا بھی نام ہو جائے
مزہ آجائے وہ گل بھی اگر ہو خار کے صدقے



محبت کا ثمر داغِ نہاں باقی نہ رہ جائے — کہیں سینہ میں سوزِ جاوداں باقی نہ رہ جائے

مٹا یوں اپنے کشتوں کو نشاں باقی نہ رہ جائے — وفا کا نام زیرِ آسماں باقی نہ رہ جائے

میری جانب سے شکووں کا گماں باقی نہ رہ جائے — قلم کر دو میرے منہ میں زباں باقی نہ رہ جائے

پرکھ لو آزما لو امتحاں باقی نہ رہ جائے — تمہارے دل میں حسرت مہرباں باقی نہ رہ جائے

میری ہستی ہی کیا، میری محبت کیا، وفائیں کیا — مگر تیرے ستم کی داستاں باقی نہ رہ جائے

تم آؤ ایک دن خلوت میں لیکن اس طرح آؤ — کہ پھر کوئی حجابِ درمیاں باقی نہ رہ جائے

نہ گلشن ... سے چلے ہیں ذبح کر کے مرغِ گلشن کو — کہ مجھ بدبخت کی طرزِ فغاں باقی نہ رہ جائے

نجانے انتہائے شوق میں یہ کیا قیامت ہے — کہ پیشِ دوست یارائے بیاں باقی نہ رہ جائے

تیری محفل میں ساقی آج فیضِ عام ہو ایسا — کہ اپنے ہوش میں کوئی یہاں باقی نہ رہ جائے

جئیں بے جلوۂ دیدار کیسے تیرے شیدائی — جو یہ بھی چارۂ بیچارگاں باقی نہ رہ جائے

دعائیں خاؔر مانگا کیجیے ترکِ محبت کی
یہ ممکن ہی نہیں یادِ بتاں باقی نہ رہ جائے



یہ کج روی کہ اتنا سروکار بھی نہیں — حدِ ستم ہے اب ستمِ یار بھی نہیں
وارفتگی میں طاقتِ گفتار بھی نہیں — لب پر حدیثِ گیسو و رخسار بھی نہیں
ہم کو تو اس گلی میں گئے مدتیں ہوئیں — سنتے ہیں اب وہ گرمیٔ بازار بھی نہیں
قاصد وہ حال پوچھے تو کہیو بہ چشمِ نم — المختصر کہ قابلِ اظہار بھی نہیں
ہم چشم و ہم جلیس، نہ ہمدرد و ہم نفس — جز رنج و غم کوئی مرا غمخوار بھی نہیں
کہتا ہے دل کہ چل کے مقدر تو آزما — اتنی تو سخت حسن کی سرکار بھی نہیں
کچھ زندگی سے تنگ ہیں کچھ دل بجھا سا ہے — اچھے ہیں یوں تو ایسا کچھ آزار بھی نہیں
وہ دن بھی تھے کہ رہتے تھے زلفوں کی چھاؤں میں — یا اب نصیب سایۂ دیوار بھی نہیں
مانا وفا تو وقف ہے دشمن کے واسطے — کیا ہم تیری جفا کے سزاوار بھی نہیں
جوشِ جنوں میں حدِ طلب سے گزر گئے — اب ذوقِ وصل و حسرتِ دیدار بھی نہیں

ہوں بت پرست ازل سے برہمن نژاد ہوں
یہ ماننے میں خارؔ مجھے عار بھی نہیں



کسی کے سنگِ در سے نقشِ پا سے کھیلنے والے
جنوں سے کام لے، دستِ دعا سے کھیلنے والے
کرے گا ناز کس پر، او وفا سے کھیلنے والے
نہ ہوں گے جب ہمیں تیری ادا سے کھیلنے والے
جفائے دوست کے عادی ہیں جورِ آسماں کیا ہے
بلاؤں سے ڈریں گے کیا قضا سے کھیلنے والے
بھلا زنجیر سے دیوانگانِ عشق رکتے ہیں
بڑے آزاد ہیں بندِ قبا سے کھیلنے والے
دعاؤں میں کبھی تاثیر پیدا ہو بھی جاتی ہے
دلِ ناکام و آہِ نارسا سے کھیلنے والے
یہاں کانٹوں میں دامن بھی الجھ جاتے ہیں اے ناداں
گل و گلزار سے، موجِ صبا سے کھیلنے والے
ہمیں یہ شغلِ فریاد و فغاں اچھا دیا تو نے
تیرے قرباں دلِ دردآشنا سے کھیلنے والے
ذرا مجھ کو بھی سمجھا دے کہ تیرا مدعا کیا ہے
مرے ذوقِ حصولِ مدعا سے کھیلنے والے
کسی مشتاقِ نظارا پہ کیا گزری، وہ کیا جانیں
بہ پیشِ آئینہ زلفِ دوتا سے کھیلنے والے
کہیں ایسا نہ ہو کہ رنگ لائے آہ بیکس کی
میرے جذبات، میری التجا سے کھیلنے والے
خدا کی شان ہے ایسے اب ہم اجنبی سے ہیں
حریمِ ناز میں اُن کی حیا سے کھیلنے والے



آہ و شیون سے بھی کچھ اے منشتِ پر ہوتا نہیں
کان میں گل کے پڑا ہے زر، اثر ہوتا نہیں
میرے کاشانے کی جانب کیوں گزر ہوتا نہیں
دو گھڑی مل بیٹھنے میں کوئی ڈر ہوتا نہیں
آ مسیحا غیر ہے حالت تیرے بیمار کی
دردِ دل ہوتا نہیں، دردِ جگر ہوتا نہیں
عشقِ سادہ لوح پھر بھی ہے سراپا انتظار
حسن کا ہر چند وعدہ معتبر ہوتا نہیں
اے دلِ ناداں محبت کی کڑی ہیں منزلیں
یہ وہ جادہ ہے کہ کوئی ہم سفر ہوتا نہیں
ہے یہ آزارِ محبت اس میں جز اقرارِ وصل
اے طبیبو، کوئی نسخہ کارگر ہوتا نہیں
بڑھتی جاتی ہیں شبانِ ہجر کی طولانیاں
حیف قصہ زندگی کا مختصر ہوتا نہیں
دل سے دل کو راہ ہوتی ہے سنا کرتے تھے ہم
حال سے عاشق کے کیوں وہ باخبر ہوتا نہیں
رات انگاروں پہ کاٹی شعلہ رُو کی یاد میں
اہتمامِ آہِ ہنگامِ سحر ہوتا نہیں
چند آنسو زیرِ مژگاں، ایک آہِ ناتمام
قصۂ ہجراں اب اس سے مختصر ہوتا نہیں
یار کا کیجیے گلہ یا چرخِ کج رفتار کا
خاطرِ شغلِ آرزو تو بار ور ہوتا نہیں



ہر نفس روح کو کرتے ہیں معطّر گیسو
یوں مہکتے ہیں کسی کے سرِ بستر گیسو
دو گھڑی آکے وہ کیا پڑھ گئے منتر گیسو
چشمِ مشتاق میں گھوما کئے شب بھر گیسو
شب کو ڈسنے کے لیے ان کو کھلا چھوڑ دیا
کنڈلی مار کے بیٹھے رہے دن بھر گیسو
آرزو نکلے، بکھر جائیں جو شانے پہ میرے
ہیں یہ الفاظ دگر میرا مقدّر گیسو
رُوئے زیبا کے لیے حاشیہ آرائی ہے
چاند سے چہرے کو کرتے ہیں منوّر گیسو
جائزہ لیتے ہیں، دل کتنے گرفتار ہوئے
پیشِ آئینہ سنورتے ہیں جو اکثر گیسو
یہ دکھاتے ہیں کبھی ابرِ بہاراں کا سماں
اور کبھی کالی بلاؤں سے ہیں بدتر گیسو
چشمِ گستاخ اگر حد سے سوا بڑھتی ہے
مشکیں کس لیتے ہیں فوراً وہیں بڑھ کر گیسو
دل کا شیرازہ بکھر جائے، قیامت آجائے
ہو کے برہم کہیں ہو جائیں جو ابتر گیسو
اُف یہ انداز و ادا، اُف یہ تیرا حسن و شباب
آنکھیں قاتل ہیں تیری، فتنۂ محشر گیسو

بامِ مقصد پہ پہنچنے کے لیے ایک کمند
یا کہ ریشم کی ہیں ڈوری تیرے دلبر گیسو

بارے پھر کھل اٹھا اپنا بھی دلِ پژمردہ
یار کھولے ہوئے آیا، جو معنبر گیسو

دیکھنے والوں کے کھوئے گئے ہوش اور حواس
سحر کیا کر گئے جانے وہ فسوں گر گیسو

خوب ہیں اپنی جگہ ابرو مژگان دراز
سب پہ چھائے ہیں مگر سب سے ہیں بہتر گیسو

جنتِ چشمِ تماشائی سنور جائیں اگر
اور بگڑیں تو قیامت کا ہیں منظر گیسو

بل بہت کھائے بہت زور لگایا لیکن
قدِ موزوں کے نہ ہو پائے برابر گیسو

زندگی پہلے ہی اک خوابِ پریشاں ہے خاؔرؔ
اور الجھائیں نہ ہم کو یہ الجھ کر گیسو



میں عمر بھر کو وقفِ الم ہو کے رہ گیا
بس ایک بار اُن کا کرم ہو کے رہ گیا

وہ میری بیکلی کا کریں کس طرح یقیں
جب آئے ہیں وہ درد بھی کم ہو کے رہ گیا

مائل بہ التفات نہ ہوا اب نگاہِ دوست
دل آشنائے لذّتِ غم ہو کے رہ گیا

اللہ رے سحرِ حسن کہ اس بزمِ ناز میں
بت بن گیا کوئی، کوئی تھم ہو کے رہ گیا

ہم سا ملا نہ اور کوئی تختۂ مشقِ جور
ہم پر تمام اُن کا ستم ہو کے رہ گیا

میں ناتواں چلا تو گیا فرطِ شوق میں
پر اُس گلی میں نقشِ قدم ہو کے رہ گیا

راہِ طلب میں کھو گئے ہوش و حواس و عقل
میں محوِ جستجوئے صنم ہو کے رہ گیا

پروانے کو جلا تو دیا شمعِ بزم نے
آخر کو اُس کا سر بھی قلم ہو کے رہ گیا

اُن سے گلہ جفا کا کیا ہم نے کیا کیا
سر اُن کا ہائے شرم سے خم ہو کے رہ گیا

اللہ کی پناہ، زباں پر نہ لا سکوں
کیا حرفِ وصل تیری قسم ہو کے رہ گیا

جب جب بھی قتل نامہ مرتب ہوا ہے خار
بس ایک میرا نام رقم ہو کے رہ گیا



اُدھر کا قصد بھی کرتے ہوئے ڈرتے ہیں پر والے
دیارِ عشق کے ہیں راستے خوف و خطر والے

کہاں سر پھوڑ لیں جائیں کہاں او سنگِ در والے
کہ جن کے سر میں سودا ہے تیرا وہ دردِ سر والے

یقیں ہے اور کچھ دن میں کرے آباد ویرانہ
تیرے وحشی سے عاجز آ گئے ہیں اب تو گھر والے

نہ کہتے تھے کہ مشکل سے کٹیں گی ہجر کی گھڑیاں
بہت خم ٹھوکتے تھے ہم ہیں دل والے جگر والے

اٹھایا پردۂ رخسار اگر گستاخ ہاتھوں سے
جلا کر خاک کر ڈالیں گے یہ برقِ نظر والے

نمائش پر تلا ہے کس قدر کم ظرف ہے لالہ
ہم اہلِ عشق بھی ہیں داغِ دل، داغِ جگر والے

مے و معشوق جب اُن کو میسر ہیں یہیں واعظ
کریں جنت کی خواہش کس لیے دامانِ تر والے

فرشتہ ہونے کا دعوہ کریں یہ کوری شیخی ہے
جنابِ شیخ میں اوصاف تو سب ہیں بشر والے

یہی ہُو حق کی آوازیں سنی ہیں خانقاہوں میں
تو کیوں ہم اہلِ میخانہ ہی کہلاتے ہیں شر والے

خدا ہی یہ تو بہتر جانتا ہے مصلحت کیا ہے
خراب و خستہ کیوں دنیا میں ہیں علم و ہنر والے

چمن میں جا کے دیکھا خار، نرگس کور دیدہ ہے
ریاضِ دہر میں مشکل سے ملتے ہیں نظر والے



اُس کے رخسار سے سو مہرِ درخشاں پیدا — تابِ نظارہ کرے دیدۂ حیراں پیدا
بزمِ جاناں میں ہُوا حشر کا ساماں پیدا — گردشِ چشم سے ہے شعلۂ رقصاں پیدا
اُس کے گھر جانے کی دل پہلے جسارت کر لے — بات کرنے کو تو ہو جائیں گے عنواں پیدا
وہ نظر بجلی سی لائے گی کہاں سے نرگس — باغ میں ہو نہ سکے دیدۂ جاناں پیدا
جس جگہ جا کے ہوئے سوختہ ساماں آباد — کچھ نہیں ہوتا بجز خارِ مغیلاں پیدا
حال کیا ہوگا جہاں کا یہ خدا ہی جانے — اور تم سے ہوئے گر فتنۂ دوراں پیدا
وحشتِ دل کا یہ عالم ہے کہ وحشی تیرا — رُخ کرے بستی کا ہو جائے بیاباں پیدا
جامہ زیبی کے یہ انداز نرالے دیکھے — چاک دامن ہو تو ہو جائے گریباں پیدا
تیری آواز ہے ساقی کہ کھنکتے ہوئے جام — قلقلِ مینا سے ہے نعرۂ مستاں پیدا
چشمِ بد دُور ترے حسن کا پرتو ہے چمن — اور ترے دم سے ہے محفل میں گلستاں پیدا

بارِ احسانِ مسیحا نہ اٹھے گا اے خاؔر
وہ ستم گر ہی کرے درد کا درماں پیدا



منصب میں کم نہیں کسی بالا نشیں سے ہم
منسوب ہیں کہ ہیں بت زہرہ جبیں سے ہم

کیوں مشتہر کریں یہ ہے رنج کا معاملہ
یہ داغ بندگی بھی مٹائیں جبیں سے ہم

کچھ ایسے تھک کے بیٹھ رہے کوئے یار میں
مانندِ نقشِ پا نہ اٹھے پھر زمیں سے ہم

احباب رازِ رنگِ پریدہ سے پا گئے
چپ ہو گئے تھے دیکھ کے اُن کو یونہیں سے ہم

ہر ایک وصف مان لیا پر وفا نہیں
اب تو کسی کو دیکھ چکے ہیں قریں سے ہم

جھٹلا رہے ہیں غیر سے کچھ واسطہ نہیں
جیسے کہ مان جائیں گے اُن کی نہیں سے ہم

احباب ہو کہ ناصحِ مشفق یا ہم جلیس
ڈرتے نہیں ہیں تابر کسی نکتہ چیں سے ہم



شکوہ کریں نہ جور کا اس نازنیں سے آپ
سجدوں کے یا نشاں مٹائیں جبیں سے آپ

وعدہ وفا کریں نہ کریں، ہے یہ اختیار
لیکن ہمارا دل تو نہ توڑیں کہیں سے آپ

ہے دل پہ ثبت آپ کی تمثیل ہو بہو
گر ہو سکے تو نقشِ مٹا دیں نگیں سے آپ

کیا حالِ دل کہیں کہ وہ کب کا بچھڑ گیا
ممکن اگر ہو ڈھونڈ نکالیں کہیں سے آپ

ہم نے کہا نہ آئیں گے تیری گلی، کہا
سنتے تھے پیار کرتے ہیں اس سرزمیں سے آپ

ہر چند آزما بھی چکے اُس کو بار ہا
رکھتے ہیں پھر امیدِ وفا اُس حسیں سے آپ

لازم ہے شکرِ رحمتِ پروردگار رحمٰن
ہیں مالا مال نعمت نانِ جویں سے آپ



نہ جانے آئیں گی کب وصلِ یار کی گھڑیاں
کہ ہم ہیں اور فقط انتظار کی گھڑیاں
خزاں سے دورِ خزاں تک یہ انتظار رہا
کبھی تو آئیں گی شاید بہار کی گھڑیاں
نہ پوچھ کیسے گزاری ہیں تیری فرقت میں
کسی نے گردشِ لیل و نہار کی گھڑیاں
شریکِ غم نہ ہو جس طرح کوئی غربت میں
کٹی ہیں ایسے دلِ سوگوار کی گھڑیاں
دلِ حزیں کو نہیں یک نفس بھی چین نصیب
اجڑ گئیں مرے صبر و قرار کی گھڑیاں
کہ جیسے جشنِ چراغاں کسی مزار پہ ہو
گزر رہی ہیں دلِ داغدار کی گھڑیاں
دعا ہے اپنی کہ دشمن پہ بھی نہ آئے یہ وقت
کہ جس طرح سے گزرتی ہیں خاکسار کی گھڑیاں



تھے پری، حُور ہو کے آئے ہیں
پیکرِ نور ہو کے آئے ہیں
اے مسیحا نفس تیرے در پر
بڑے مجبور ہو کے آئے ہیں
آج ساقی سے لڑ گئی تھی نظر
نشے میں چُور ہو کے آئے ہیں
گفتگو آج کیا ہوئی اُن سے
جیسے ہم طُور ہو کے آئے ہیں
بادۂ غم کی عام تھی بخشش
ہم بھی مخمور ہو کے آئے ہیں
تھک گئے یوں ہر قدم پہ بیٹھ گئے
جیسے ہم دُور ہو کے آئے ہیں
اُس کے اِک زیرِ لب تبسم پر
خار مغرور ہو کے آئے ہیں



یاد میں وعدہ فراموش کی رو لینے دو
زیست سے تنگ ہوں میں جی مجھے کھو لینے دو

جاگ کر کاٹی ہیں شبہائے درازِ ہجراں
اب تو تا روزِ قیامت مجھے سو لینے دو

منزلِ شوق میں ہے عشق کی معراج فنا
نیستی میں مجھے ہستی کو سمو لینے دو

آبرو پائیں اگر زلف کی زینت بن جائیں
چند موتی ہیں میرے پاس پرو لینے دو

ہمدمو! دل ہی تو ہے سنگ نہیں خشت نہیں
آستیں خوب ہمیں آج بھگو لینے دو

تیر چلتے ہیں تو کہتی ہیں صفیں مژگاں کی
پہلے نشتر ہمیں سینے میں چبھو لینے دو

بیوفا خارؔ کہے گا تو زمانہ اُس کو
ہاں مگر تخمِ وفا ہم کو تو بو لینے دو



آکہ سونی ہے جانِ زار کی محفل — بن تیرے ہے بے رونق میرے پیار کی محفل
واہ عشق سادہ لوح جانتا ہے وعدوں کو — پھر سجائے بیٹھا ہے انتظار کی محفل
دل میں چند قطرے خوں چند اشک آنکھوں میں — حیف مجھ سا کم مایہ اور یار کی محفل
اُف ادا ادا کافر، اف جفا جفا قاتل — آفت دل وجاں ہے اُس نگار کی محفل
دیکھ یار کا جلوہ، ہم کہیں انا المحبوب — پھر سجائیں کوچے میں اُس کے دار کی محفل
تھا اِک انجمن از خود یہ میرا دلِ مرحوم — اب اجڑ گئی لیکن میرے پیار کی محفل
آفتاب محشر ہے اُس صنم کا جلوہ بھی — حسن کی تمازت ہے نور و نار کی محفل
اِک طلائی پیکر میں نُقرئی تبسم ہے — سیم و زر کا ہے انبار حسنِ یار کی محفل
کس کی مہربانی ہے ہم جلیس کیا کہیے — ہے میرا دل پُر داغ، ہر دہ دار کی محفل
رنج و غم مصاحب ہیں حسرتوں کا مجمع ہے — آپ نے نہیں دیکھی، دلفگار کی محفل

گلبدن کی صحبت میں دیکھ کر تعجب کیوں
دوستو! نہیں معلوم ہے یہ خارؔ کی محفل



سزا اتنی کڑی، جرمِ وفا کی مجھ کو دی تم نے
کہ میری زندگی کی مسکراہٹ چھین لی تم نے

اگر لطف و عنایت کر نہ سکتے تھے جفا کرتے
یہ کیوں موقوف کر دی رسم و راہِ دوستی تم نے

کہاں جاتے ہو ٹھہرو رقصِ بسمل دیکھتے جاؤ
ذرا دم لو گلے پر اب جو پھیری ہے چھری تم نے

خدا ڈالے تمہارا ابھی کسی بیدرد سے پالا
میرے حالِ پریشاں کی اڑائی ہے ہنسی تم نے

ہماری عاجزی اور انکساری دیکھنے والو
ابھی دیکھی نہیں خودداری و شانِ خودی تم نے

صبا کہتے ہو آوارہ ہے کانٹوں سے بھی وحشت ہے
نہیں دیکھی میری آوارگی، دیوانگی تم نے

ہُوا ہے دشمنِ دل، دشمنِ جاں، دشمنِ ایماں
گنوائی خاص جس کافر کی خاطر زندگی تم نے



عزمِ طوافِ کوچۂ جاناں کیے ہوئے
پھر جا رہے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

جشنِ بہار کا سر و ساماں ہے یہی
چند اشکِ خوں ہیں زینتِ مژگاں کیے ہوئے

پھر داستانِ شوق رقم کر رہا ہوں میں
بربادیوں کو زینتِ عنواں کیے ہوئے

سینہ میں اس طرح ہیں نہاں داغِ آرزو
جیسے چراغ ہوں تہِ داماں کیے ہوئے

لالہ سے چار داغ چھپائے نہ جا سکے
ہم ہیں کہ لاکھ داغ ہیں پنہاں کیے ہوئے

شرما رہا ہے ابرِ بہاراں کو رشکِ ماہ
بالائے بام زلف پریشاں کیے ہوئے

لینا ہے خاکؔ رحمتِ بیحد کا جائزہ
ہم ہیں فراخ دامنِ عصیاں کیے ہوئے



نہیں اس میں کوئی مضائقہ شب وعدہ آپ نہ آسکے
مگر ایسی کون سی بات تھی کہ غلام کو نہ بلا سکے

یہ ہمارے دل کا قصور ہے کہ یہ فہم کا ہی فتور ہے
کیے ہم نے لاکھ جتن مگر کبھی آپ کو نہ بھلا سکے

کیے سجدے در پہ جبیں گھسی، ہوئے مہرباں نہ وہ کبھی
جو ازل کے روز رقم ہوا وہ لکھا ہوا نہ مٹا سکے

رہی عمر بھر یہی جستجو رہی دل کی دل میں یہ آرزو
کہ ملاتا دل کا تو یک طرف کبھی آنکھ بھی نہ ملا سکے

جو بھلی خدا نے ہے شکل دی، کبھی بات بھی تو کرو بھلی
وہ سخن بھی کوئی سخن ہوا جو کسی کا دل نہ لبھا سکے

نہیں زیست کا کوئی آسرا، یہ تو ہی بتا وہ جیے گا کیا
کہ جو خونِ دل بھی نہ پی سکے کہ جو زہرِ غم بھی نہ کھا سکے

ہوں مریضِ غم، یہ سزا ملی، نہ دعا ہوئی، نہ دوا ملی
میرا حال ایسا بنا دیا کہ مسیح بھی نہ جلا سکے

ہے بجا جو زیست سے تنگ ہے کہ وہ نامِ عشق پہ ننگ ہے
جسے پیار آپ نہ کر سکے جسے جی بھر کے جی نہ ستا سکے

تیرے ہجر میں پھرا در بدر، تیری راہ دیکھی ہے اس قدر
میری نیند ایسی اچٹ گئی، مجھے موت بھی نہ سلا سکے

جنھیں ہجر تیرا نصیب تھا، کٹی عمر جاگتے ہی سدا
وہ جو سو گئے تو یقین ہے انھیں حشر بھی نہ جگا سکے

کوئی بات آگے نہ چل سکی، کوئی آرزو نہ نکل سکی
ہمیں خارؔ اس کا ملال ہے کہ وہ چار دن نہ نبھا سکے



وہ جفا جُو کہ نظر اُس سے ملا بھی نہ سکوں
وائے رے پاسِ وفا آنکھ چرا بھی نہ سکوں

یار خوابیدہ ہے یوں فتنۂ محشر کی طرح
آپ سو بھی نہ سکوں، اُس کو جگا بھی نہ سکوں

تیرے دیدار کی گر مجھ کو سعادت ہو نصیب
ہوش دولت نہیں ایسی کہ لٹا بھی نہ سکوں

جب کیا پیش نوشتہ تو وہ ہنس کر بولے
کیا یہ قسمت کا لکھا ہے کہ مٹا بھی نہ سکوں

ہائے رے حسنِ جہاں سوز کہ وہ آفتِ جاں
سامنے آئے تو پھر سامنے آ بھی نہ سکوں

منزلِ عشق میں یہ ہوش و خرد کیا ہوں گے
کہ اگر وقت پڑے کام میں لا بھی نہ سکوں

باریابی درِ جاناں پہ الگ بات ہے خادمؔ
کیا قیامت ہے کہ اُس کوچے میں جا بھی نہ سکوں



غم کی گر چاشنی نہیں ہوتی — زندگی زندگی نہیں ہوتی
آج کیوں بے کلی نہیں ہوتی — خیر ہو ٹیس بھی نہیں ہوتی
غم کی تاریکیوں نے گھیرا ہے — جلتے ہیں روشنی نہیں ہوتی
دل نوازی کرو جفا کب تک — اس طرح دلبری نہیں ہوتی
لوگ دل کی لگی کو کیا جانیں — عاشقی دل لگی نہیں ہوتی
دل پہ وہ وقت بھی گزرتا ہے — جب تیری یاد بھی نہیں ہوتی
غم جاناں ہے مستقل لیکن — زیست تو دائمی نہیں ہوتی
آؤ آجاؤ ہم دل کی خلوت میں — کوئی بے پردگی نہیں ہوتی
کسی ہجراں نصیب کی حالت — نیم شب دیدنی نہیں ہوتی
کاش وہ دشمنی نبھا سکتے — ان سے دوستی نہیں ہوتی

خار لطف خلش بھی مٹ سا گیا
غم میں بھی اب خوشی نہیں ہوتی



آپ سے بدلے محبت کے چکائے نہ گئے
ناز فرمائے مگر ناز اٹھائے نہ گئے

تیری صحبت میں گزارے تھے جو رنگیں لمحے
غمِ ہجراں کی قسم ہم سے بھلائے نہ گئے

جس طرح تو نے جلایا ہے ہمیں دشمنِ جاں
بزم میں اس طرح پروانے جلائے نہ گئے

جشنِ نوروز کا پھر لطف ہی کیا جانِ بہار
دشت سے جب تیرے دیوانے بلائے نہ گئے

ایک ہم ہیں کہ نہاں زخم ہیں دل میں لاکھوں
داغ لالہ سے فقط چار چھپائے نہ گئے

لطف کی بات ہے ہم شعلہ بھی ہیں شبنم بھی
کب جلائے نہ گئے اور رلائے نہ گئے

بارہا قصد کیا ترکِ محبت کا مگر
دل سے نقش اگلی وفاؤں کے ہٹائے نہ گئے

چارہ فرمائی کریں گے یہ عبث تھی امید
چار آنسو میری حالت پہ بہائے نہ گئے

شوق کی شعبدہ بازی تھی تصور کا فریب
ورنہ خلوت کدۂ غم میں وہ آئے نہ گئے

ہجر کے ماروں کو اول تو کہاں نیند نصیب
اور اگر سو گئے تا حشر جگائے نہ گئے

خارِ اظہارِ تمنا کی جسارت نہ ہوئی
چار حرف اپنی زباں پر بھی لائے نہ گئے



ہے جہاں تک نگاہ کی پرواز / حسن ہی حسن ہے کرشمہ ساز
بے صدا ہو گیا ہے دل کا ساز / اب زمانہ ہے گوش بر آواز
بے وفائی سے وہ نہ آیا باز / کام آئے نہ اپنے عجز و نیاز
عشق ہے کائنات دو عالم / کوئی انجام ہے نہ ہے آغاز
بزم میں رات بھر جو جلتی ہے / شمع سے پوچھ رمزِ سوز و گداز
قصۂ عمر مختصر کر دے / میرے قاتل ہو تیری عمر دراز
اے مسیحا تیری دہائی ہے / لبِ جاں بخش کا دکھا اعجاز
حسنِ ناداں اب تیری مرضی / ہم نے سمجھا دیے نشیب و فراز
گر نہیں التفات کیا شکوہ / میں کہاں اور کہاں وہ شاہِ ناز
دلِ برباد کو خدا رکھے / اب کوئی راز ہے نہ محرمِ راز

خارؔ کو تو مٹا دیا تم نے
ناز کس پر کرو گے بندہ نواز



خدا ناکردہ کیوں قاصد کے ہاتھ اُن کا پیام آیا
الٰہی خیر ہو یہ کیسا نامہ میرے نام آیا

ہمیں پھر آج اِک پیماں شکن کی یاد کیا آئی
کہ دردو کرب بن کر عہدِ رفتہ کا سلام آیا

زمانہ رقص فرماتا ہے ساقی کے اشارے پر
نظر اٹھی، صراحی وجد میں، گردش میں جام آیا

ہمارا کیا ہے اپنی خیر مانگیں آسماں والے
سنور کے بن کے وہ رشکِ پری بالائے بام آیا

رہا یہ بھی نہ ہم کو یاد، ہیں کس جستجو میں ہم
بیابانِ جنوں میں ایک ایسا بھی مقام آیا

عیادت کو جو آئے ہو تو بس کچھ اور دم ٹھہرو
خدا چاہے تو یہ قصہ قریب اختتام آیا

بہت دردر کی کھائیں ٹھوکریں اب خارؔ سستالو
کہ آئی زندگی کی شام ہنگامِ قیام آیا



یہی فساد کا گھر ہے، مجھے معاف کرو
قصورِ دیدۂ تر ہے، مجھے معاف کرو
نکالوں گوشۂ دل سے یہ مجھ میں تاب نہیں
تمہارا تیرِ نظر ہے، مجھے معاف کرو
فریب دیں گی یہ جھوٹی تسلیاں کب تک
حضور مجھ کو خبر ہے، مجھے معاف کرو
اب آہ کرتا ہوں چھٹتا ہے صبر کا دامن
بلا کا دردِ جگر ہے، مجھے معاف کرو
تمہارے عشق میں ناگفتنی ہے حالِ دل
جہاں یہ زیر و زبر ہے، مجھے معاف کرو
کرو جو ظلم بھی پیہم تو مجھ کو ہے منظور
مجھے تو اس میں بھی ڈر ہے مجھے معاف کرو
یہ کہہ رہا ہے بصد ناز آں جلوۂ حسن
نظر ہی پردۂ در ہے، مجھے معاف کرو



گل ہیں چمن میں خوب، پر اُس خوش ادا کے بعد
رنگینیِ بہار ہے، رنگین قبا کے بعد

نشتر زنی فضول ہے، تیرِ قضا کے بعد
حمد بہ نہ کوئی کام کرے گا ادا کے بعد

ہر چند بت ہیں قادرِ مطلق خدا کے بعد
دستِ سوال کون بڑھائے دعا کے بعد

ہیں رہ روانِ جادۂ الفت خوش اعتقاد
نقشِ جبیں ملے گا ہر ایک نقشِ پا کے بعد

اپنوں نے کی ہیں ساتھ مرے وہ بھلائیاں
دشمن کو کوستا ہوں مگر آشنا کے بعد

دونی ہو ٹیس ہم کو بھی لطفِ خلش ملے
جور و ستم جو کیجیے لطف و عطا کے بعد

اے رب العالمین قلم ان کو کیجیو
پھیلاؤں ہاتھ گر تیری جود و سخا کے بعد

بوسہ تو لینے دیجیے دشنام بھی سہی
بیشک سزا بھی دیجیے لیکن خطا کے بعد

ہم کر سکے نہ اُن سے شکایت کا حوصلہ
وہ یوں خجل ہوئے ستم ناروا کے بعد

پھر کوئی گامزن نہ ہوا راہِ عشق میں
میری وفا کے بعد تمہاری جفا کے بعد

اے خاکؔ ہم تعلقِ خاطر کا یار سے
کیا مانگتے ثبوت خلوصِ جفا کے بعد



بچھا راہِ طلب میں اپنا دام آہستہ آہستہ
وہ آہوئے رمیدہ ہوگا رام آہستہ آہستہ
بڑھائے جا قدم جو پائے کام آہستہ آہستہ
سلام آہستہ آہستہ، پیام آہستہ آہستہ
جھجک اُن کی ارے نادان جاتے جاتے جائے گی
دلِ بیتاب ہوں گے ہمکلام آہستہ آہستہ
عطائے پیرِ میخانہ پہ لا ایمان اے میکش
کہ ساقی لائے گا گردش میں جام آہستہ آہستہ
شہیدانِ وفا کی آج پھر تقدیر یاور ہے
چلا ہے سوئے مقتل خوش خرام آہستہ آہستہ
قتیلِ ناز کو قاتل مزے لے لے کے مرنے دے
گلے پر پھیر تیغِ بے نیام آہستہ آہستہ
حواس و ہوش اپنے کھو نہ بیٹھیں آسماں والے
نقابِ رخ اٹھا بالائے بام آہستہ آہستہ
سرِ محفل کبھی عشق و وفا کا ذکر چھڑتا ہے
کسی کا زیرِ لب لیتے ہیں نام آہستہ آہستہ
مری وحشت کسی کی بیقراری بڑھتی جاتی ہے
محبت میں یہ آتا ہے مقام آہستہ آہستہ
گزرتیں کاش اسی صورت وصالِ یار کی گھڑیاں
کٹے ہے جس طرح فرقت کی شام آہستہ آہستہ
یہ لطفِ خاص جو اہلِ ستم کا خاص ہے ہم پر
ہمیں ڈر ہے نہ ہو دستورِ عام آہستہ آہستہ



تابِ رخ کی گرمیِ بازار کی باتیں کریں
ہم نشینو! آؤ اُس دلدار کی باتیں کریں

ہم نفس ہم اور بزمِ یار کی باتیں کریں
یعنی مجھ سا منہ بڑی سرکار کی باتیں کریں

چاہتا ہے دل کہ کچھ یوں پیار کی باتیں کریں
ان کو چھیڑیں اُن سے کچھ تکرار کی باتیں کریں

ہوں قصیدہ گو کسی کافر ادا کی شان میں
تیر و نشتر، خنجر و تلوار کی باتیں کریں

اُن کے ہونٹوں کی حلاوت کا کریں عالم بیاں
اور کچھ شیرینیِ گفتار کی باتیں کریں

داستانِ دل کو دہرائیں بہر عنواں ہم
الغرض تا حدِ امکاں یار کی باتیں کریں

غم غلط کر لیں کہ ذکرِ عیش نیمِ عیش ہے
ہجر میں لازم ہے وصلِ یار کی باتیں کریں

اُن سے در پردہ کریں اپنی وفاؤں کا بیاں
کوہ و صحرا کی، رسن کی، دار کی باتیں کریں

حضرتِ واعظ قیامت کی سنائیں سرگزشت
ہاں کسی کے دل کی دیدار کی باتیں کریں

حرف گیری کس لیے کرتے ہیں نقادِ سخن
ہم غزل میں گر لب و رخسار کی باتیں کریں

بزم میں وہ چھیڑتے ہیں اس لیے پھولوں کا ذکر
چاہتے ہیں لوگ اُن سے خار کی باتیں کریں



کل آئیں گے شاید وہ، نہیں آئے اگر آج
اس درجہ کبھی تو اے دلِ شیدا نہ بپھر آج

ہم غیر ہوئے، غیر ہے منظورِ نظر آج
اے آہِ سحر دیکھ لیا تیرا اثر آج

کل تک تھے ہمیں باعثِ صد گرمیِ محفل
ہم پر ہی ہوئی بند تیری راہ گزر آج

اے اہلِ چمن خیر نشیمن کی مناؤ
یہ کس کو ہے معلوم گرے برق کدھر آج

مقتل میں سبھی جان ہتھیلی پہ لیے ہیں
اب دیکھیے کس پر ہو عنایت کی نظر آج

مہندی تو نہیں چھوٹے گی پاؤں کی تمہارے
گلگشت کو نکلو تو چلے آؤ ادھر آج

کر چرخِ ستمگر کی زمانے کی شکایت
کہہ قصۂ غم اُن سے بہ اندازِ دگر آج

ہے یہ بھی کسی کی صفِ مژگاں کا تصرف
گلنار ہے، خونبار ہے، جو دیدۂ تر آج

ہم وضع کے پابند ہیں یک رنگی کے قائل
کل وہ ہی کفن ہوگا جو ہے رختِ سفر آج

اب زارؔ نہ شاعر ہیں، نہ ہیں سائلؔ و بیخودؔ
ہیں سلسلۂ داغؔ کے ہم اہلِ ہنر آج

قسمت کے دھنی ہیں غمِ فردا ہے جنھیں خارؔ
ہم سمجھیں گے بھر پائے جو ہو جائے بسر آج



کسے گماں تھا کہ وہم و گماں سے گزرے گا — شباب حدِّ قیاس و بیاں سے گزرے گا
وفا کے معرکۂ امتحاں سے گزرے گا — جو تیغِ ناز کے آبِ رواں سے گزرے گا
ہے اُن کی شوخ نظر کا اداؤں کا دعویٰ — نہ کوئی بچ کے سلامت یہاں سے گزرے گا
نہ آئے وہ شبِ وعدہ تو کیسے راہ تکیں — کسے خبر ہے چھلاوہ کہاں سے گزرے گا
بچاؤ گر لبِ جاں بخش سے تو بات ہے اور — وگرنہ آنکھ کا مارا تو جاں سے گزرے گا
نگاہِ شوق پریدہ ہے اُس پری کے لیے — سنا ہے آج وہ تختِ رواں سے گزرے گا
زمیں سے تا بہ فلک جال ہے نگاہوں کا — یہ دیکھنا ہے وہ بچ کر کہاں سے گزرے گا
یہ قید و بند لگاؤ نہ اپنے وحشی پر — نہیں تو قیدِ زمان و مکاں سے گزرے گا
مثالِ برق ہے وہ نور و نار کا پیکر — یقیناً آگ لگے گی جہاں سے گزرے گا
وہ دن بھی دور نہیں ہے آدمِ خاکی — بصد جلال رہِ کہکشاں سے گزرے گا

نصیب ہوگی اُسے خاص خلوتِ جاناں
جو این و آں سے چُنیں و چُناں سے گزرے گا



نظر کا جام اٹھاؤ، بہت اُداس ہے شام
ان انکھڑیوں سے پلاؤ، بہت اُداس ہے شام
خدارا مان بھی جاؤ، بہت اُداس ہے شام
ہمیں نہ اور ستاؤ، بہت اُداس ہے شام

گزر چکے ہیں جو لمحات رنجِ فرقت میں
نہ اُن کی یاد دلاؤ، بہت اُداس ہے شام

غمِ فراق میں جامِ شراب کیا ہوگا
ہمیں تو زہر پلاؤ، بہت اُداس ہے شام

نہ چین آئے گا ہم کو بغیر زانو ئے دوست
عدم کی نیند سلاؤ، بہت اُداس ہے شام

کسی کی یاد جو لیتی ہے چٹکیاں دل میں
تدارک اِس کا بتاؤ، بہت اُداس ہے شام

تمہاری خاطرِ نازک ملول ہونا حق
ہمارے پاس نہ آؤ، بہت اُداس ہے شام

کچھ اپنی حشر خرامی کو کام میں لاؤ
تم آکے فتنے جگاؤ، بہت اُداس ہے شام

کسی طرح بھی ہوئے کم نہ غم کے اندھیارے
چراغِ زیست بجھاؤ، بہت اُداس ہے شام

نہ ہوگی دُور شبستانِ غم کی تاریکی
ہزار شمعیں جلاؤ، بہت اُداس ہے شام

دماغ سیر کسے خارِ فرقتِ گل میں
چمن کو آگ لگاؤ، بہت اُداس ہے شام

○

چُرائی آنکھ حیا کچھ نہیں بہانہ تھا
ادا سے مارا قضا کچھ نہیں بہانہ تھا

ازل سے خونِ تمنا تھا دل کی قسمت میں
کسی حسین کی جفا کچھ نہیں بہانہ تھا

وہ بزمِ غیر سے اٹھے تو بات تھی کچھ اور
ہماری آہِ رسا کچھ نہیں بہانہ تھا

رہِ وفا میں اتر ہی چکا تھا سوت کچے گھٹا
دلِ حزیں کو سزا کچھ نہیں بہانہ تھا

ضرور ہاتھ اٹھا کر وہ کوستے ہوں گے
ہمارے حق میں دعا کچھ نہیں بہانہ تھا

گیا جو ہاتھ سے تھی دل کی شامتِ اعمال
کسی کا چاکِ قبا کچھ نہیں بہانہ تھا

تھا وعظ حضرتِ واعظ کا عذرِ محرومی
بلائے روزِ جزا کچھ نہیں بہانہ تھا

بس اپنی گرمیِ بازار تھی فقط منظور
وہ اُن کی مہر و وفا کچھ نہیں بہانہ تھا

وہ آتے بہرِ عیادت تو بن گئی کچھ بات
مریضِ غم کی دوا کچھ نہیں بہانہ تھا

نکالا گھر سے انہیں شوقِ خود نمائی نے
گدا کی در پہ صدا کچھ نہیں بہانہ تھا

ہمارا خون تھا منظورِ خاص اُس گل کو
بروزِ وعدہ حِنا کچھ نہیں بہانہ تھا



الجھ کر رہ نہ جاتا زلفِ پیچاں دیکھنے والے
تماشا بن نہ جانا حسنِ خوباں دیکھنے والے

ہے تیری ہی عنایت زخمِ پنہاں دیکھنے والے
مگر پھر بھی ہوں میں ممنونِ احساں دیکھنے والے

کہیں ایسا نہ ہو شیرازۂ خاطر بکھر جائے
کتابِ دل کے اوراقِ پریشاں دیکھنے والے

کوئی اے کاش پروانے کو اتنا تو بتا دیتا
سرِ محفل جلے گا رقصِ عریاں دیکھنے والے

قیامت کے بیاں سے کیا ڈریں گے واعظِ ناداں
حسینوں کی نگاہِ برق ساماں دیکھنے والے

کسی بدمست کا چاکِ قبا دیکھا نہیں شاید
تعجب سے میرا چاکِ گریباں دیکھنے والے

ہیں گل سکتے میں، بلبل چپ ہیں، پتے ہاتھ ملتے ہیں
تاسف میں ہیں انجامِ گلستاں دیکھنے والے

نقابِ رخ الٹ کر ڈال نظریں میری نظروں میں
نہ دیکھا ہو جو آئینہ کو حیراں، دیکھنے والے

جلانے والے خود بھی جل کے خاکستر نہ ہو جاتا
نہ ہو غافل مآلِ شمعِ سوزاں دیکھنے والے

ذرا منہ ڈال کر دیکھیں تو خود اپنے گریباں میں
یہ شیخ و شاب میری فردِ عصیاں دیکھنے والے

مرید پیرِ میخانہ پرستارِ بتاں نکلا
تجھے تو خارؔ سمجھے تھے مسلماں، دیکھنے والے



ہے تاب، چہرے کی، مہتاب کی ضیا کا جواب
شمیمِ زلف، نسیمِ سحر، صبا کا جواب
ہے گرچہ، ترکِ وفا جورِ برملا کا جواب
مگر ہے صاف دلِ دردِ آشنا کا جواب
کٹیں گی ہجر کی گھڑیاں تو ہوں گے شادیٔ مرگ
نہیں ہے ایک بلا دوسری بلا کا جواب
گلوں میں مانا کہ ہے حسن بھی، نزاکت بھی
کہاں سے لائیں گے لیکن تیری ادا کا جواب
کہاں سے لائے گا گزرے ہوئے زمانے کو
تیری ادا بھی نہ ہو گی تیری ادا کا جواب
زباں سے، لب سے، دہن سے کہ چشم و ابرو سے
ہو بات کوئی بھی دیتا ہے وہ بلا کا جواب
قسم خدا کی عجب شانِ بے نیازی ہے
خدا کی شان ہے بت بن گئے خدا کا جواب
نہ بات کیجیے نرگس کی، کور چشم ہے وہ
چمن میں ہو نہ سکا چشمِ سرمہ سا کا جواب
بجا ہے سروِ گلستاں نے بھی نکالا قد
ہُوا نہ شوخیٔ رفتار د نقشِ پا کا جواب
ملے نہ جام تو ساقی کی چیرہ دستی ہے
نہیں ہے پیرِ مغاں کی مگر عطا کا جواب
طوافِ کوئے ملامت نہ خاؔس نے چھوڑا
نہیں ہے خیر سے اس بندۂ خدا کا جواب



کرشمہ سازیِ حسن و ادا سے — وہ اب قاتل بنے ہیں دلربا سے
لگایا دل بتِ نا آشنا سے — دوا سے اب نہ کچھ ہوگا دعا سے
وہ بزمِ غیر میں بولے ادا سے — کہ تم لگتے ہو صورت آشنا سے
خدا کا واسطہ دیتے ہیں اس کو — وہ کافر جو نہیں ڈرتا خدا سے
اب اس کو خوبیِ تقدیر کہیے — ہمیشہ زک اٹھاتی آشنا سے
ہمارا خونِ دل ہے کتنا خوش رنگ — ملا کر دیکھ لو رنگِ حنا سے
کہی بلبل نے گل سے کان میں بات — مگر چھپتی کہاں بادِ صبا سے
نہ دیکھو آئینہ بہتر یہی ہے — بلا کا سامنا ہوگا بلا سے
نہ کیجے نام یوں الفت کا بدنام — نہ دیجے ہم کو جھوٹے دم دلا سے
پڑی ہے ماند موتی کی لڑی بھی — کسی کے خندۂ دنداں نما سے

جہاں سے اٹھ گیا ہم نے سنا خارؔ
گیا تھا اٹھ کے کوئے دلربا سے



نہ کسی کو اتنا بنائیے کہ وہ روئے آہ و بُکا کرے
نہ کسی کو اتنا ستائیے کہ وہ ترکِ رسمِ وفا کرے

وہ سمجھتا بات یہ کیوں نہیں مجھے دیکھ حد سے سوا حزیں
نہ ہوں غیر اُس پہ ہی نکتہ چیں کوئی اِس قدر نہ جفا کرے

ہے مریضِ غم یوں ہی نیم جاں، نہ تسلیاں نہ تشفیاں
تیری بندگی کرے کیوں میاں، کیوں نہ بندگی خدا کرے

ہوئے راہِ عشق میں گامزن تو نہ فکرِ رہبر و راہزن
کہ ہے زادِ راہ فقط کفن جو یہ لٹ بھی جائے لُٹا کرے

ذرا دیکھ لے بتِ بیوفا کہ ہے شمعِ بزم کا حشر کیا
ہے نظامِ قدرتِ کاملہ جو جلائے خود بھی جلا کرے

تیرے ہجر میں اے مسیحا دم پڑا کشمکش میں مریضِ غم
ہو عزیز اگر نہ تیرا بھرم، تو دراز دستِ دعا کرے

تجھے کیا غرض کوئی بے نوا تیرے در پہ ہے جو پڑا ہُوا
تجھے کیا پڑی کہ سنے صدا وہ مرا کرے کہ جیا کرے

جسے بزم سے بھی اُٹھا دیا، جسے یوں نظر سے گرا دیا
جسے صاف دل سے بھلا دیا، تو تو ہی بتا کہ وہ کیا کرے

وہ زمانہ یاد ہے اے صنم تھی میرے لیے تیری چشمِ نم
مجھے بخشی دولتِ درد و غم، کوئی حق یہ کیسے ادا کرے

ہے دعا کہ تو بھی لگائے دل کوئی شخص تیرا دُکھائے دل
کہے رو کے تو بھی کہ ہائے دل، تو جگر کو تھامے پھرا کرے

سرِ بزم آئیں جو ہچکیاں تو یہ ہنس کے بولا وہ جانِ جاں
کہو خاکسار سے کہ ہے رائیگاں، ہمیں یاد یوں نہ کیا کرے



جب ترا انتظار ہوتا ہے — ہر نفس پُر بہار ہوتا ہے
چند شکووں سے چند آہوں سے — عشق کا کاروبار ہوتا ہے
آئیں وہ یا نہ آئیں وعدے پر — آئیں گے اعتبار ہوتا ہے
عرش پر ہوتا ہے دماغ اپنا — میہماں جب وہ یار ہوتا ہے
عشق میں دوست کا تو ذکر ہی کیا — دل پہ کب اختیار ہوتا ہے
شکوہ کر کے ہیں خود پشیماں ہم — یار کیوں شرمسار ہوتا ہے
اف رے خانہ خراب عہدِ شباب — ایک جن سا سوار ہوتا ہے
عشق کو اس کا علم ہو کہ نہ ہو — حسن بھی بیقرار ہوتا ہے
چھوٹ جاتا ہے صبر کا دامن — جب وداعِ گلعذار ہوتا ہے
ہجر میں جب وہ یاد آتے ہیں — سانس لینا بھی بار ہوتا ہے

عمر گزری ہے نازنینوں میں
پہلوئے گل میں خار ہوتا ہے



یوں ہی رہ جائے گی ارمانوں کی کثرت دل میں
لے کے مر جائیں گے ہم وصل کی حسرت دل میں

سر میں سودا ہے تیرا اور تیری الفت دل میں
چاہتا ہوں کہ یہ قائم رہے وحشت دل میں

پاس گر کچھ نہیں سرمایۂ ہستی نہ سہی
غم نہیں ہے جو تیرے عشق کی دولت دل میں

نگہِ لطف نے اے دوست تلافی کر دی
اب نہیں کوئی جفاؤں کی کدورت دل میں

دل پہ کیا گذرے گی گر وصل ہوا اُس کا نصیب
خواہشِ وصل سے برپا ہے قیامت دل میں

واعظا ہم کو نہیں باغِ ارم کی خواہش
اُس پریزاد کے جلووں سے ہے جنت دل میں

یاس کے تیرِ تغافل کی یہ گل کاری ہے
داغِ حسرت ہے کہ ارمانوں کی تربت دل میں

سوزِ فرقت سے ہر ایک داغ بھڑک اٹھا ہے
اب چراغاں ہے تیرے غم کی بدولت دل میں

کھا کے سو جائیں گے کچھ جی میں یہی ٹھانی ہے
رنج اب اور اُٹھائیں، نہیں طاقت دل میں

اب بجز اُس کے نظر میں نہیں جچتا کوئی
ایسی کچھ بس گئی دلدار کی صورت دل میں

خار احباب کا مت پوچھئے کیا ہے احوال
آنکھ میں شرم ہے باقی نہ مروّت دل میں



تیرے ہی آستاں کو مسجود جانتے ہیں — اہلِ نیاز تجھ کو معبود جانتے ہیں
ہم کو عطا ہوئی ہے یہ رنج و غم کی دولت — ہم بخت نارسا کو محمود جانتے ہیں
پھر جور بھی روا ہے تم نے ہمیں نوازا — سب اہلِ عشق ہم کو محسود جانتے ہیں
ناآشنائے الفت محبوبیت کو تیری — لطف و کرم میں تیرے محدود جانتے ہیں
بے حسرتوں کے دم سے آباد دل کی بستی — تکمیلِ آرزو کو بے سود جانتے ہیں
کہتے ہیں وصل جس کو ہے مرگِ آشنائی — محرومیوں میں اپنی بہبود جانتے ہیں
جو جانتے نہیں ہیں جود و عطا کے معنی — جود و عطا کو اُس کی مفقود جانتے ہیں
تیرا خیال ہر دم ہے دل میں بزم آرا — فرقت میں بھی تجھے ہم موجود جانتے ہیں
اللہ اُن کا والی، اللہ ان کا وارث — جو تجھ کو زندگی کا مقصود جانتے ہیں
کیا مہر، کیا وفا ہے، کیا جور، کیا جفا ہے — اہلِ جنوں سبھی کو بے بود جانتے ہیں

اے خاکؔ ہے کسی کی یہ بھی کرشمہ سازی
ہیں ورنہ ایک شاہد مشہود جانتے ہیں



حالِ دل اُس کو سنائے نہیں ایسا کوئی
آہ کا تیر کبھی اُس تک نہیں جاتا کوئی

دیدنی ہوگا نہ ایسا ابھی تماشا کوئی
آ کے دیکھے تیرے بسمل کا تڑپنا کوئی

تم کو منظور ہے گر دیکھنی داغوں کی بہار
شوق سے دیکھو کہ تم سے نہیں پردا کوئی

ہے یہ کس در کا گدا، لوگ کرینگے یہ سوال
غم نہیں اس کا نہ بر آئی تمنا کوئی

آرزوؤں کا ہماری تو سدا خون کیا
ہم کو کیا اس سے کہ ہے چاند کا ٹکڑا کوئی

کوئی حسرت نہ ستمگر ترے دل میں رہ جائے
دیکھ باقی کہیں رہ جائے نہ ایذا کوئی

نیم جاں کشتۂ انداز اگر ہے بھی تو کیا
کیوں دکھائے ابھی اعجازِ مسیحا کوئی

یہ الگ بات ہے اچھا تمھیں لگتا ہے عدو
میرے نزدیک تو تم سے نہیں اچھا کوئی

بس کوئی دم کا ہے مہمان مریضِ غمِ عشق
اور کچھ دیر رہے سامنے بیٹھا کوئی

یاد رہ رہ کے ستاتی ہے کسی کافر کی
ہائے کس ناز سے ملتا ہے کلیجا کوئی

خار، وہ شوخ بلائے تو سہی گھر اپنے
سر کے بل جائیں اگر پائیں اشارا کوئی



ہم کو ہنس ہنس کے رُلایا ہے بھری محفل میں
اس طرح تُو نے ستایا ہے بھری محفل میں

کیا ستم یاد انھیں آیا ہے بھری محفل میں
بھیج قاصد جو بُلایا ہے بھری محفل میں

آپ کس گنتی میں ہیں ہم نشیں رخسار دل نے
جانے کتنوں کو جلایا ہے بھری محفل میں

اب تو ہم آئیں گے خلوت میں کرو گے جب یاد
شمع ساں خوب جلایا ہے بھری محفل میں

گردشِ چشم نے اُس شوخ کی کیا پوچھتے ہو
آج کیا ناچ نچایا ہے بھری محفل میں

داد فریاد کریں اُس سے جو اپنا ہو کوئی
یہاں ہر ایک پرایا ہے بھری محفل میں

دیکھ کر مجھ کو بصد ناز بگڑ کر بولے
آج کمبخت پھر آیا ہے بھری محفل میں

منہ دکھانے کے بھی قابل نہ رہے دنیا کو
یوں نگاہوں سے گرایا ہے بھری محفل میں

دل میرا آج وہ تڑپا کہ سماں باندھ دیا
واہ کیا رنگ جمایا ہے بھری محفل میں

حالِ دل رنگِ پریدہ سے نہ ظاہر ہو جائے
ورنہ اب تک تو چھپایا ہے بھری محفل میں

جب سنا خاکؔ کی وحشت ہوئی تازہ سرِ نو
جشنِ نو روز منایا ہے بھری محفل میں



سرد مہری سے بھلا سرد کہاں ہوتی ہے — آتشِ عشق بھڑکتی ہے، جواں ہوتی ہے

آرزو کیا کہ جو محتاجِ بیاں ہوتی ہے — خامشی اہلِ محبت کی زباں ہوتی ہے

ہم اُسے سوزِ محبت تو نہیں کہہ سکتے — آگ جو سنگ کے سینے میں نہاں ہوتی ہے

رنگ اُڑتا ہے تو اُڑتی ہے خبر عالم میں — کیفیت دل کی یوں چہرے سے عیاں ہوتی ہے

بیقراری کی اگر کہیے تو کہتا ہے وہ شوخ — ہم بھی دیکھیں، یہ بلا کیا ہے، کہاں ہوتی ہے؟

ختم ہونے کو ہے شب، حرف و حکایت میں تمام — وقت تھوڑا ہے کوئی دم میں اذاں ہوتی ہے

حسن والوں سے کوئی فیض کی امید نہیں — عاشقی مفت میں رسوائے جہاں ہوتی ہے

رکھا محروم ہمیں حسن کے آڑے آ کر — یہ نزاکت بھی بڑی آفتِ جاں ہوتی ہے

جو رہے عینِ کرم، عہدِ تغافل تو یہ — زیست اِس دور میں اِک بارِ گراں ہوتی ہے

زندگی موت میں ہے فاصلہ اِک کروٹ کا — دیکھیں بیمار میں کب اِتنی تواں ہوتی ہے

خاؔر ہم ضبط کے آئین سے واقف ہیں مگر

دل پہ جب چلتے ہیں آرے تو فغاں ہوتی ہے



اس بات کا کوئی بھی گلہ ہمنوا نہیں — وعدے پہ اپنے آئے وہ میری قضا نہیں

کیسی یہ دل بری ہے کہ مہر و وفا نہیں — اچھے تم آشنا ہو کہ درد آشنا نہیں

آئینہ دیکھ دیکھ کے جھنجھلا رہے ہو کیوں — ہے عکسِ رخِ حضور کوئی دوسرا نہیں

جب بھی دعا کے واسطے میں نے اٹھائے ہاتھ — فرمایا کیا ترا ہی خدا ہے مرا نہیں

ذوقِ سجود تشنۂ تکمیل رہ گیا — دیر و حرم میں بسکہ ترا نقشِ پا نہیں

ان کی جفا میں اب نہیں اگلا سا وہ خلوص — اب ان کی گالیوں میں بھی مطلق مزا نہیں

ظالم کہے ہے دیکھ کے بیمارِ غم کا حال — بدبخت کے نصیب میں شاید شفا نہیں

مارو گے کس کو کس پہ چلاؤ گے تیغِ ناز — کشتوں کو پھر جلاؤ کہ کوئی بچا نہیں

اے دل بڑھا نہ اتنی حسینوں سے راہ و رسم — صورت بھلی ہے طور طریقہ بھلا نہیں

بدنام کیجیے نہ محبت کے نام کو — اب بھی جہانِ عشق میں قحطِ وفا نہیں

یہ اور بات ہے کہ تمھیں کد ہے آخرؔ سے
ورنہ وہ آدمی تو بلا ھے بُرا نہیں



شباب و حسن کا اس تازگی کا راز کیا جانیں
چمن کے پھول تیری دلبری کا راز کیا جانیں

یہ واعظ اور ناصح زندگی کا راز کیا جانیں
محبت اور غم کی چاشنی کا راز کیا جانیں

یہ شادابی جو بخشی ہے تجھے تیری جوانی نے
حسینانِ چمن اس تازگی کا راز کیا جانیں

حضورِ دوست کب اہلِ نظر کو ہوش رہتا ہے
یہ اہلِ ہوش میری بیخودی کا راز کیا جانیں

ہوس والے حصولِ مدعا ہے مدعا جن کا
دلِ بے مدعا کی بندگی کا راز کیا جانیں

کہا اتنے نہیں نادان دل کا مدعا سمجھو
تو فرمایا بھلا ہم ہر کسی کا راز کیا جانیں

جنوں ہے عشق میں حدِ تعین سے گزر جانا
خرد والے میری دیوانگی کا راز کیا جانیں

جو راہِ شوق میں پہنچے نہیں ہیں اِن منازل تک
وہ شوریدہ سری، جامہ دری کا راز کیا جانیں

بشرطِ آدمیت فوق ہے اِس کو فرشتوں پر
فرشتے ہیں فرشتے آدمی کا راز کیا جانیں

ہیں بزمِ ناز کے آداب سے اغیار ناواقف
یہ بڑبولے ہماری خامشی کا راز کیا جانیں

سبب پوچھو جو ہم سے گریۂ بلبل کا بتلادیں
بھلا ہم خار پھولوں کی ہنسی کا راز کیا جانیں



نہ زیست کا کوئی ساماں نہ دم نکلتا ہے
یہ عشق وہ ہے کہ رستم کا خم نکلتا ہے

کہیں تو پہنچیں گے اُس کی گلی میں چلتے ہیں
وہیں سے راستہ سوئے عدم نکلتا ہے

کہ جیسے ایک ہی ہو عشق و زیست کی منزل
وصال و مرگ کا ارماں بہم نکلتا ہے

زمانہ جان ہی جاتا ہے کچھ بھی کر لیجیے
یہ عشق جیسے کہ لے کر علم نکلتا ہے

ہمارا دل بھی ہے نالاں ہمیں نہیں روتے
ہر ایک سانس بھی سینہ سے نم نکلتا ہے

وہ دھیرے دھیرے چھری پھیرتے ہیں گردن پر
قتیلِ ناز کا تھم تھم کے دم نکلتا ہے

ہمارے آفتِ جاں کی ہے ہر ادا قاتل
کہ بات بات میں لطفِ ستم نکلتا ہے

عدو سے رسم بڑھاؤ مگر یہ یاد رہے
وفا شعار کوئی ہم سا کم نکلتا ہے

ہجومِ آرزو لے کر جو بزم میں آئے
جلو میں لے کے وہ باراتِ غم نکلتا ہے

ہزار فتنۂ محشر نثار ہوتے ہیں
برونِ خانہ جب ان کا قدم نکلتا ہے

نہ جانے خاک سے ہوتے ہیں کتنے حلقہ بگوش
وہ شاہِ ناز با احتشام و حشم نکلتا ہے



جب کبھی دشمنِ ایماں چلا آتا ہے
اور بربادی کا ساماں چلا آتا ہے

آپ آتے ہیں تو آتی ہے مصیبت دل پر
آرزوؤں کا اِک ہیجان چلا آتا ہے

یار آتا ہے بصد ناز و کرشمہ ہمدم
یا مجسّم میرا ارمان چلا آتا ہے

کچھ جھجھکتا ہوا، سہما ہوا آتا ہے وہ شوخ
جیسے تھمتا ہوا طوفان چلا آتا ہے

تیر جب آہ کا لگتا ہے نشانے پہ کبھی
بال کھولے وہ پریشان چلا آتا ہے

نامۂ شوق پہ قاصد سے بگڑ کر بولے
روز ہی اُن کا تو فرمان چلا آتا ہے

یوں شبِ ہجر میں یاد آتی ہے اُن کی جیسے
بن بلائے کوئی مہمان چلا آتا ہے

چٹکیاں لیتا ہے گو دل میں خیالِ جاناں
یہ بھی کچھ کم نہیں احسانؔ چلا آتا ہے

چاہیے آپ کو بھی اتنی تو خاطرداری
بھولے بھٹکے کبھی انسان چلا آتا ہے

تم تو پھر اپنے ہو آجاؤ کہ ہے آخری سانس
غیر بھی ایسے میں اے جان چلا آتا ہے

غیرتِ دیر و حرم، قتل گہِ ناز میں خار
ہو وہ کافر کہ مسلمان، چلا آتا ہے



اِس طرح اپنا حالِ پریشاں سنواریے — گر ہو سکے تو گیسوئے جاناں سنواریے
سِلے چاکِ دل سیے تو یہ وحشت نہ جائے گی — دامن سنواریے کہ گریباں سنواریے
اس باغِ آرزو کی بہت کھا چکے ہوا — اب چلیے چل کے دشتِ بیاباں سنواریے
کیجے بشوقِ خنجرِ ابرو گلے پہ تیز — تیرِ نگاہ و سوزنِ مژگاں سنواریے
گل چاکِ پیرہن ہے تو نرگس ہے جاں بلب — حالِ زبونِ اہلِ گلستاں سنواریے
ہے فرشِ راہ ایک زمانے سے چشمِ شوق — آ کر کبھی تو شامِ شبستاں سنواریے
یوں زخم ہائے دل کا میرے کیجیے علاج — مرہم اگر نہیں تو نمکداں سنواریے
یوں صبح تک تڑپ کے تو جینا محال ہے — حالت ہماری کچھ شبِ ہجراں سنواریے
قاصد نے دی خبر کہ وہ آئیں گے دن ڈھلے — داغوں سے دل کے بزمِ چراغاں سنواریے
آئے پری تو شیش محل میں ہوا اہتمام — جلوے کو اُس کے دیدۂ حیراں سنواریے

عشق و جنوں کا خاک نہ جاتا رہے بھرم
چلیے مذاق اہلِ دبستاں سنواریے



حسرتِ دید نے آخر کیا رسوا ہم کو
اُس پریرو نے بنایا ہے تماشا ہم کو
خواہشِ وصل نے چھوڑا نہ کہیں کا ہم کو
اور برباد کرے گی یہ تمنّا ہم کو
خود فریبی سے جیے جاتے ہیں اِن وعدوں پر
اور کمبخت اِنھیں وعدوں نے مارا ہم کو
تاکہ دیوانگیٔ عشق کا شہرہ ہو جائے
شاید اس واسطے محفل میں بلایا ہم کو
آج تک اُڑتی ہے جس دشت میں خاکِ مجنوں
پھر اُسی دشت سے وحشت نے پکارا ہم کو
خاک چھنوانے کو وحشتِ غمِ الفت کی مدام
تو نے معمور کیا خاک سے پیدا ہم کو
دم گھٹا جاتا ہے، کیوں بھیڑ لگا رکھی ہے
جاؤ اے چارہ گرو، کر چکے اچھا ہم کو
سخت دشوار ہے دنیا میں ملے جائے اماں
آپ نے اپنی نظر سے جو گرایا ہم کو
کب نہ قائل تھے تیرے سحر کے اعجاز کے ہم
نہ دکھا اے نگہِ ناز کرشما ہم کو
تھا بہت کافی بجھانے کو چراغِ ہستی
لے گیا آہ کا بس ایک ہی جھونکا ہم کو

ہم سفر تھے یہی، ارمان، تمنا، خواہش
جادۂ عشق میں اِن سب نے ہی لُوٹا ہم کو

آج دیوانے کہاں دیر لگاتی اتنی
اُس نے یہ کہہ کے سرِ بزم نوازا ہم کو

آبرو پاتی ہے وہ آبلہ پائی کے طفیل
کہتے ہیں اہلِ جنوں اپنا خلیفہ ہم کو

ہم سُبک ہو کے نہ اُٹھ جائیں کہیں محفل سے
اب نہ للہ کرو اتنا بھی کچا ہم کو

خار، بے وجہ تخلص نہیں رکھا ہم نے
عشق نے گُلبدنوں کے کیا کانٹا ہم کو



ہمیں کبھی تنِ تنہا جو وہ پری مل جائے
تو ہم کو تختِ سلیماں پہ برتری مل جائے

قسم خدا کی اُسے تاجِ خسروی مل جائے
دیارِ یار کی جس کو گداگری مل جائے

طوافِ کوئے ملامت نہ پھر کبھی ہم چھوڑیں
اگرچہ سارے زمانے کی سروری مل جائے

بھلا ہو ساقی تجھے میری تشنگی کی قسم
بس ایک جام مجھے اور آخری مل جائے

میں کم نصیب کہاں اور کہاں وہ بزمِ ناز
پہنچ سکوں گا جو درباں کی رہبری مل جائے

بہ فیضِ پیرِ مغاں کیا عجب کہ محفل میں
لڑیں نصیب تو وہ آنکھ مدبھری مل جائے

بڑا ہی لطف ہو تجھ کو ملے نیازِ عشق
بجائے تیرے مجھے نازِ دلبری مل جائے

ہم اپنے آہوئے رم خوردہ کو کریں گے رام
کہیں جو نسخۂ تسخیرِ ساحری مل جائے

یہاں کی رسم یہی ہے یہ کوئے جاناں ہے
کہ اِک بلا سے جو چھوٹیں تو دوسری مل جائے

اگر وہ کانِ جواہر بھی ہیں تو کیا حاصل
کہ قدر ہوتی ہے جب کوئی جوہری مل جائے

ہو خمار وہ گلِ رعنا اگر گلے کا ہار!
جہانِ عشق میں مجنوں کی ہمسری مل جائے



جو یوں دل میں سمائے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
چھٹیں اپنے پرائے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
کسی لحظہ نہ جائے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
کلیجہ منہ کو آئے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
حواس و ہوش کا ہوتا ہے کیا الفت میں یہ عالم
خدا بھی بھول جائے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
جسے ہم بھولنے کی ہر گھڑی کوشش میں رہتے ہیں
وہ پھر بھی یاد آئے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
نہ جانے موت کی ہے یا کسی کی یاد کی ہچکی
سمجھ میں کچھ نہ آئے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
محبت میں پڑے گا دل کو غم کھانا یہ سنتے تھے
مگر غم دل کو کھائے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
کسی بیدرد نے ارماں بھرا دل کر دیا ویراں
جو اُجڑے کو بسائے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
بہت دل شاد تھا اُن کی وفا پر، اُن کے وعدوں پر
جو ہنستے کو رُلائے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
ہیں آس بیگانہ خود کی یاد میں ہم اب بھی سرگرداں
یوں دیوانہ بنائے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
وہ قاتل جس نے کھیلی تھی ہمارے خون سے ہولی
وہی پھر خوں رُلائے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے
وہ در کیا خاک ہم سے کوچۂ دلدار بھی چھوٹا
مگر پھر بھی ستائے، یاد کیا ایسی بھی ہوتی ہے



پتھر سا سخت رکھتے ہیں دل سیم تن تمام
کڑوے زبان کے ہوتے ہیں شیریں دہن تمام

آمد کا منتظر ہے یہ کس کی چمن تمام
صف باندھ کر کھڑے ہیں جو سرو وسمن تمام

دل اور جگر جلائے محبت کی آگ نے
آتش نے غم کی پھونک دیا تن بدن تمام

مرنے کے بعد بھی وہی عالم جنوں کا ہے
نکلا ہوا ہے مثلِ گریباں کفن تمام

حسن وجمال دیکھ ہوئے اہلِ بزم دنگ
کافر ادا پہ لوٹ گئی انجمن تمام

جتنے حسیں ہیں خواہ وہ کمسن ہوں یا جواں
آتے ہیں اُن کو دل کے چرانے کے فن تمام

احباب خارؔ اب تجھے پہچانتے نہیں
جانے کدھر گیا وہ تیرا بانکپن تمام



یادِ حق بھی کار فرما، یادِ جانانہ بھی ہے — اک تماشہ ہے کہ دل کعبہ بھی بت خانہ بھی ہے
احترامِ شیخ و پاسِ پیرِ میخانہ بھی ہے — جامِ مے بھی ہاتھ میں تسبیحِ صد دانہ بھی ہے
آرزوئے یک نگاہ بے حجابانہ بھی ہے — نرگسِ مستانہ کوئی تیرا مستانہ بھی ہے
دیکھنا راہِ طلب میں دل کا طلبانہ بھی ہے — آرزو کچھ اور ہو تو جاں کا نذرانہ بھی ہے
بے دلِ برباد کو حسرت کہ وہ صد چاک ہو — گیسوئے پُرخم کو تیرے حاجتِ شانہ بھی ہے
اعتبارِ وعدۂ فردا پہ ہے اُن کی تلاش — عرصۂ محشر میں کوئی ہم سا دیوانہ بھی ہے
یوں بھی لازم ہے نگاہِ شوق کو پاسِ ادب — اور پھر محفل میں اپنا بھی ہے بیگانہ بھی ہے
آپ کے جلووں کا شہرہ ہے زمانے میں مگر — کشتگانِ ناز کا خلقت میں افسانہ بھی ہے
کون جانے تیرا کشتہ ہے کہ شمعِ بزم کا — ہاں مگر محفل میں تیری نعشِ پروانہ بھی ہے
فرق اتنا ہے کہ میں انسان ہوں گھبرا گیا — میری قسمت کی طرح گردش میں پیمانہ بھی ہے

خاؔر سا رند اور لغزش، غیر ممکن تو نہیں
مصلحت اِس میں مگر کوئی حکیمانہ بھی ہے



عریاں کفِ قاتل میں شمشیر نظر آئی
لے غم سے رہائی کی تدبیر نظر آئی

پامالِ ستم ہائے گل گیر نظر آئی
خود شمعِ شبستاں بھی دلگیر نظر آئی

عشاق نے یہ جانا قسمت کا نوشتہ ہے
ہلکی سی جو سرمے کی تحریر نظر آئی

آغاز محبت کا، انجام محبت کا
وہ خواب تھا یہ اُس کی تعبیر نظر آئی

سونی ہے بھری محفل، ساقی کی نظر بدلی
ساغر نہیں گردش میں، تقدیر نظر آئی

چند آہ کے جھونکوں نے بنیاد ہلا ڈالی
کمزور بہت دل کی تعمیر نظر آئی

ہم آپ تھے سکتہ میں وہ وقفِ حیا آئے
تصویر کے پہلو میں تصویر نظر آئی

تنگئ دلِ شاہد زنداں کا مرقع ہے
زلفوں کے تسلسل میں زنجیر نظر آئی

یہ حسن عقیدت ہے، فیضانِ محبت ہے
خاکِ درِ جانانہ اکسیر نظر آئی

پچھتایا وفا دشمن، دشمن سے وفا کر کے
اب میری وفاؤں کی توقیر نظر آئی

گر آہ نہ کی ہوتی تھا خاص گلہ برحق
ہم چپ ہیں کہ خود اپنی تقصیر نظر آئی



اُترا اُترا سا ہے رنگِ عارضِ گُلنارِ دوست
آج کچھ بے حال سی ہے نرگسِ بیمارِ دوست

حج اکبر ہے طوافِ کوچہ و بازارِ دوست
حاصلِ دنیا و دیں ہے دولتِ دیدارِ دوست

اپنا اپنا ظرف ہے، ہر ایک موسیٰ تو نہیں
دیکھنے والوں نے دیکھا جلوۂ دیدارِ دوست

ہے حیاتِ جاوداں مٹنا تلاشِ یار میں
آبِ حیواں کیا کریں گے کُشتۂ دیدارِ دوست

ضبط کا دامن نجانے چھوٹ جائے کس گھڑی
جذبۂ اُلفت کہاں تک ہوگا پردہ دارِ دوست

وہ تو کہیے کچھ نقابِ رخ ہی آڑے آگئی
پھونک دیتی ورنہ، دل کو آتشِ رخسارِ دوست

کچھ نہ کچھ وحشی کو صحرا میں سہارا چاہیے
اور وہاں نَے کوئی در نَے سایۂ دیوارِ دوست

دین و دل، ہوش و خرد، صبر و سکوں کھو کر چلے
دیکھنے آئے تھے ہم بھی گرمیٔ بازارِ دوست

اب جنونِ عشق کی تکمیل شاید ہو گئی
اب ہر اک صورت میں آتے ہیں نظر انوارِ دوست

عرضِ مطلب پر وہاں ہے اک تبسم زیرِ لب
ہم نشیں اِنکار سمجھوں یا اسے اِقرارِ دوست

خارؔ کوئی کچھ کہے آخر غزل ہے پھر غزل
آ ہی جاتے ہیں مضامینِ لب و رخسارِ دوست



طوق و زنجیر میں یا سمتِ بیاباں گزرے
دیکھیے اب کے برس کیسے بہاراں گزرے

نیم بسمل یہ شب و روز دعا کرتے ہیں
سوئے مقتل کبھی پھر قاتلِ دوراں گزرے

دفعتاً یوں نہ اٹھا چہرۂ انور سے نقاب
کہ تیری دید سے بھی دیدۂ حیراں گزرے

اوس شبنم پہ پڑے آتشِ گل تیز ہو جائے
سوئے گلشن جو تیرا سوختہ ساماں گزرے

خود ہی باعث ہیں جو آشفتہ مزاجی کا میری
بار کیوں اُن پہ میرا حالِ پریشاں گزرے

جامہ زیبی میں شمارِ اہلِ جنوں کرتے ہیں
حدِ دستور سے جب طولِ گریباں گزرے

عشق کی شعبدہ بازی ہے کہ تکمیلِ جنوں
اپنی صورت پہ خیالِ رخِ جاناں گزرے

کوچہ گردی میں رہا حسن کے ناموس کا پاس
صورتِ بادِ صبا گزرے تو پنہاں گزرے

نکلے درماں کی کوئی اس میں ہی صورت شاید
درد اتنا تو بڑھے از حدِ درماں گزرے

نہ وہ خود آئے نہ نیند آئی نہ موت آئی ہے
کوئی بتلائے کہ کیسے شبِ ہجراں گزرے

خاکؔ ہر غم کو مبدل بہ غمِ دوست کیا
تنگنائے غمِ ہستی سے غزل خواں گزرے



دلِ حزیں کے لیے ایک مشغلہ بھی ہے
فغاں کے پردے میں کچھ عرضِ مدعا بھی ہے

کبھی کبھی وہ قیامت، بلائے قضا بھی ہے
وہی نظر کہ جو جینے کا آسرا بھی ہے

زبانِ عشق سمجھیے تو آہِ زیرِ لب
جفا کی داد، شکایت بھی التجا بھی ہے

اسی کے در پہ دلِ بیقرار چل کے تڑپ
حضورِ دوست تڑپنے میں کچھ مزا بھی ہے

وہ نازنیں ہیں حسیں ہیں، مگر یہ کون کہے
کہ دلبری کے لیے شرط اک وفا بھی ہے

یہ تیرا عیب ہے قاتل، یہ ہے ہنر تیرا
جھکے ہیں سر بھی زبانوں پہ مرحبا بھی ہے

یہ کیا ستم ہے، ہمیں تیرے ناز اٹھاتے ہیں
روا ہمیں پہ تیرا جورِ ناروا بھی ہے

نہ ہو ملول وہ کافر جو مہرباں نہ رہا
کوئی حسین کسی کا کبھی ہوا بھی ہے

تیری تلاش میں ہم ہی نہیں ہیں آوارہ
نسیم بھی تیرے کوچے میں اور صبا بھی ہے

یہ مانا چاہنے والے تیرے ہزاروں ہیں
تو ہی بتا کہ کوئی ہم سا باوفا بھی ہے

بلائے جاں بھی ہے ساحر جلوۂ جاناں
نظر فریب، دلآویز و دل کشا بھی ہے



گنہ گارِ وفا ہوں لطفِ زنداں لے کے چلتا ہوں
کسی کی تنگیٔ دل کا یہ فیضاں لے کے چلتا ہوں
ہوائے شوق سے بجلی اس کو پنہاں لے کے چلتا ہوں
چراغِ آرزو کو زیرِ داماں لے کے چلتا ہوں
رموزِ عشق کا پورا دبستاں لے کے چلتا ہوں
کتابِ دل کے اوراقِ پریشاں لے کے چلتا ہوں
ذرا میں چاک تو کرلوں گریباں لے کے چلتا ہوں
دلِ وحشی ابھی سوئے بیاباں لے کے چلتا ہوں
جگر میں درد، دل میں ٹیس، سودا سر میں الفت کا
ہوں بے مایہ مگر یہ سازوساماں لے کے چلتا ہوں
تمنا، آرزو، ارمان کیا کیا لے کے آیا تھا
تیری محفل سے حسرت، یاس، حرماں لے کے چلتا ہوں
تیرا چسکا مٹے اور اس ستمگر کی ہوس نکلے
دلِ مجروح تھم میں خود نمکداں لے کے چلتا ہوں
سُنا تھا ہیں بہت تاریک راہیں دیر و کعبہ کی
یہ جامِ مے نہیں ہے نورِ ایماں لے کے چلتا ہوں
رخ و گیسو گل و سنبل ہیں، قد سرو، آنکھ نرگس ہے
تصورِ جانِ جاں کا یا گلستاں لے کے چلتا ہوں
وہ دیوانہ ہوں جانبِ گھر کی چلتا ہوں گلستاں سے
تو شاخِ بیدِ مجنوں، عشقِ پیچاں لے کے چلتا ہوں
تغافل کیش سے امیدِ تکمیلِ جفا کب تک
میں مرگِ ناگہاں کا خاراحساں لے کے چلتا ہوں



لیے پھرتا ہے آوارہ ہمیں ذوقِ نظر کیا کیا
ہوس میں دید کی جھانکے ہیں ہم نے بام و در کیا کیا

تیرے مرہونِ منت ہم ہیں پیکانِ نظر کیا کیا
کہ پھوٹے آبلے دل کے بہے زخمِ جگر کیا کیا

یہ لطفِ خاص ہے جو قتل کا پیغام بھیجا ہے
کرم یوں تو ہوئے ہیں اور اس سے پیشتر کیا کیا

ہماری داستاں کہتے گئے تھے قصہ گو اُن سے
کیے ہیں زندگی کے اُن کی قصے مختصر کیا کیا

نسیمِ صبح گاہی گدگدائے جیسے غنچوں کو
تبسم ریز کرتی ہے انھیں آہِ سحر کیا کیا

وہ نامحرم کہ جس کو محرمِ خلوت بنایا تھا
اُسی نے راز کھولے ہیں تمہارے سربسر کیا کیا

ہمارے خط کے پرزے تو اُڑائے دشمنِ جاں نے
کہا اس کے علاوہ اور اس نے نامہ بر کیا کیا

نہ تم آئے نہ نیند آئی، نہ موت آئی شبِ وعدہ
گماں آئے ہیں دل میں کیا بتائیں رات بھر کیا کیا

پریشاں نکہتِ گل ہو نکل کر جیسے گلشن سے
نکل کر تیرے کوچے سے پھرے ہم دربدر کیا کیا

گریباں چاک، سر پر خاک، رنگِ رخ پریدہ ہے
یہ مانا رازِ الفت چھپائیں گے مگر کیا کیا

شبک کرتی ہے ہم کو خارؔ اس کافر کی نظروں میں
دعائے نارسا و آہِ محروم اثر کیا کیا



گلے تو لاکھ ہیں اُس مہرباں سے — مگر اب کیا کریں اپنی زباں سے

ہوئے جاتے ہیں رازِ دل عیاں سے — اشارت سے عبارت سے بیاں سے

بنے تیرے بُرے بن کر جہاں سے — [illegible] جائیں تیرے آستاں سے

زمینِ کوچۂ جاناں ٹھہر جا — [illegible] چکا لوں آسماں سے

قیامت تھا تیری محفل سے اٹھنا — [illegible] بزمِ جہاں سے

فریبِ رنگ و بُو اللہ اکبر — [illegible] ہیں پھر ارماں جواں سے

میسر ہو جو الفت میں شہادت — [illegible] ہے عمرِ جاوداں سے

سنانا قصہ گو عنواں بدل کر — [illegible] ہماری داستاں سے

نہ کی جب آپ نے مشکل کشائی — [illegible] مرگِ ناگہاں سے

دلِ برباد کا اللہ حافظ — [illegible] کر کوئے بتاں سے

کریں شکرِ جفائے [illegible] کب تک

کہاں تک کام لیں ضبطِ فغاں سے

طوافِ حرم بھی گوارا نہیں ہے — وہ کافر اگر جلوہ آرا نہیں ہے
تڑپنے کا بھی دل میں یارا نہیں ہے — ہمیں آہ کا بھی سہارا نہیں ہے
گلہ جور کا کچھ خدارا نہیں ہے — غنیمت ہے، دل سے بسارا نہیں ہے
ہمیں ہیں کہ سہتے تھے تیری جفائیں — مگر ناز بھی اب گوارا نہیں ہے
عجب کیا زمانے نے بدلیں نگاہیں — یہ کمبخت دل ہی ہمارا نہیں ہے
ابھی آہ مظلوم کی بے اثر ہے — ابھی خونِ ناحق پکارا نہیں ہے
جوانی کی آمد ہے، وقفِ حیا ہیں — ابھی شوخیوں نے ابھارا نہیں ہے
سنوارا ہے اُن کی جوانی نے اُن کو — محبت نے لیکن نکھارا نہیں ہے
ابھی منتشر ہے میرے [illegible] کی دنیا — ابھی اُس نے گیسو سنوارا نہیں ہے
اِسے شاد رکھیے کہ یہ [illegible] رکھیے — یہ دل آپ کا اب ہمارا نہیں ہے

ہواے کوچۂ جاناں کی ہے بدلی بدلی
چلو [illegible] گزارا نہیں ہے



یہ جور میں کیا آپ اضافہ نہیں کرتے — کرتے ہیں ملاقات تو تنہا نہیں کرتے
ارمان بھرا دل کبھی توڑا نہیں کرتے — ظالم کسی بستی کو اجاڑا نہیں کرتے
اے ساقیِ محفل تجھے رسوا نہیں کرتے — ہیں رند پرانے کبھی تو یہ نہیں کرتے
جو زخموں پہ آیا ہو بمشکل ابھی انگور — اے پنجۂ مژگاں انہیں چھیڑا نہیں کرتے
حرف آئے گا ہم پر بھی اے غارتگرِ ناموس — یوں نام محبت کا اچھالا نہیں کرتے
گستاخیاں کرتی ہے سرِ بزم تیری زلف — نا اہل کو یوں سر پہ چڑھایا نہیں کرتے
رو رو کے سنائے جو کوئی غم کا فسانہ — ہنس ہنس کے اسے اور رلایا نہیں کرتے
کر اے دلِ ناداں نہ تغافل کی شکایت — سوتے ہوئے فتنوں کو جگایا نہیں کرتے
اپنی نگہِ ناز کو فرمایئے تاکید — کرتے ہیں اگر وار تو اوچھا نہیں کرتے
صادق ہے اگر قول تو پھر کیا ہے تکلف — کیوں وصل کے وعدے پہ نوشتہ نہیں کرتے

برہم ہو عبث خار کی باتوں پہ نہ جاؤ
دیوانہ ہے دیوانے سے الجھا نہیں کرتے



دل پہ صدموں کی یہ بہتات کہاں تھی پہلے
ہاں مگر تم سے ملاقات کہاں تھی پہلے

نگہِ ناز میں یہ بات کہاں تھی پہلے
دل کو برمانے کی یہ گھات کہاں تھی پہلے

انتظار آنکھوں میں اور دل میں تمنائے وصال
ایسی رنگین میری رات کہاں تھی پہلے

اُن کے سینہ میں بھی اُلفت کی کرن پھوٹی ہے
روشنی داخلِ ظلمات کہاں تھی پہلے

چشمِ ساقی نے نظر کو میری عرفاں بخشا
محرمِ رندِ خرابات کہاں تھی پہلے

دے کے دل آپ کو سو روگ لگائے ہم نے
زندگی موردِ آفات کہاں تھی پہلے

دلِ ناکام کی امید بر آئی تجھ سے
اے اجل قاضیِ حاجات کہاں تھی پہلے

ہو گیا سایۂ دیوار ہما کا سایہ
چین سے یوں بسر اوقات کہاں تھی پہلے

آپ نے خوب دیا ہم کو محبت کا صلہ
داغِ حسرت کی یہ سوغات کہاں تھی پہلے

مانگیے بوسہ تو دیتے ہیں ہزاروں صلوات
بخل آمیز یہ خیرات کہاں تھی پہلے

فیض ہے پنجۂ مژگاں کا کسی کے اے خاکسار
اشکِ خونیں کی یہ برسات کہاں تھی پہلے



جانِ شیریں لبوں پہ آئی ہے — ابنِ مریم تیری دہائی ہے
لطف اور وہ ستم شعار کرے — کیا تیری شانِ کبریائی ہے
اُس نے ہنس کر مزاج پوچھا تھا — بات یاروں کو ہاتھ آئی ہے
بات جب اُن سے کی ہے مطلب کی — چٹکیوں میں سدا اڑائی ہے
آزماتے نہیں وہ کیوں خنجر — روز کیوں صبر آزمائی ہے
دے اجازت فغاں کی اے صیّاد — سن رہا ہوں بہار آئی ہے
چاہی تصدیق جھوٹے وعدے کی — اُس نے سوگند میری کھائی ہے
ہم نے اُن سے کہا کہ مرتے ہیں — بولے افسوس انتہائی ہے
لب تو کھلنے لگے تجھے شکوے کو — غیرتِ عشق آڑے آئی ہے
ہم جفا کو ادا سمجھ لیں گے — پر تغافل میں جگ ہنسائی ہے

خارؔ کیا ہو گیا زمانے کو
اب وفا ننگِ آشنائی ہے



نہ لیں گے کام سجدوں کا جبیں سے — اُٹھائیں گے وہ نقشِ پا زمیں سے
قرینے دیکھ کر اُن کے قریں سے — مبدّل ہو گئے سب شک یقیں سے
نہیں کم آرزو پر وہ نشیں سے — کہ شرمائی نگاہِ شرمگیں سے
اگر دل میں اُتر کر بھی نہ سمجھے — خدا سمجھے نگاہِ شرمگیں سے
اُبھارا جب کبھی شوخی نے اُن کو — حیا نے بات کاٹی ہے وہیں سے
گدائے کُوچۂ دلدار ہیں ہم — ہمیں کیا حوُر سے عرشِ بریں سے
شبِ فرقت کریں کیوں آہ و نالہ — زمیں کی بات کیوں جائے زمیں سے
مزا دشنام سے ہوتا ہے دُونا — ہوس بوسہ کی بڑھتی ہے "نہیں" سے
کہاں محشر کہاں تیری جوانی — کہیں پر بات جا پہنچی کہیں سے
سناتے جورِ پیہم کا فسانہ — تمہاری داستاں کہتے تمھیں سے

مرید پیرِ میخانہ ہُوئے خاسؔ
تو چھُوٹے سب غمِ دنیا و دیں سے



ادھر لی آخری ہچکی، اُدھر بالیں پہ یار آیا
ہُوا ساکت مریضِ غم، تو سب سمجھے قرار آیا

کچھ اس انداز سے لے کر وہ تیغِ آبدار آیا
کہ ہم کو دیکھتے ہی بے طرح قاتل پہ پیار آیا

شبِ وعدہ گماں کیا کیا نہ آئے کیا کہیں دل میں
نہ تم آئے نہ موت آئی، نہ لطفِ انتظار آیا

گلوں کے چاک دامن گیسوئے سنبل پریشاں ہیں
ہماری بےکسی پر ابرِ باراں اشکبار آیا

وفاؤں کا ہماری، اُن کے اقرارِ محبت کا
نہ اُن کو اعتبار آیا، نہ ہم کو اعتبار آیا

جو مرتا ہوں تو وہ دیتے ہیں تہمت ترکِ الفت کی
نہ جینا سازگار آیا نہ مرنا سازگار آیا

ہوئے برہم ہماری عرضِ مطلب پر کہ شرمائے
بہر صورت دوگونہ روئے رنگیں پر نکھار آیا

یقیں جانو کہ ہم نے بندگی سے منہ نہیں موڑا
خدا شاہد ہے نالہ لب پہ خود بے اختیار آیا

اگر اس کی توجہ یوں کبھی ہو غفلت سے بہتر ہے
نکلوایا جو مجھ کو بزم سے میں بار بار آیا

جگر میں درد ہو تو آہ میں تاثیر ہوتی ہے
شبِ وعدہ بتِ وعدہ شکن خود بیقرار آیا

پرستارِ غرض لاکھوں، پرستارِ وفا کم ہیں
غنیمت جانیے گر آپ کی محفل میں خمار آیا



اُس کی وحشت کا نہ ہر ایک سے چرچا کیجے
اپنے دیوانے کو خود آپ نہ رسوا کیجے

چشمِ مشتاق سے لازم نہیں پردا کیجے
اپنے جلوے اسی آئینے میں دیکھا کیجے

ایسا لگتا ہے کہ اب رسمِ وفا اٹھ سی گئی
کس کو اب چاہیے اب کس کی تمنا کیجے

وہی بجلی سا تبسم، وہ قیامت سی نظر
گاہے گاہے ہمیں پھر بھی تو نوازا کیجے

یاد آیا ہے کہ آباد کیا تھا دل کو
اِس خرابے میں اب اُن جلووں کو ڈھونڈا کیجے

لیجیے مان لیا، ہم ہی خطا وار سہی
آپ ہی سچے ہیں، اب غصہ تو ٹھنڈا کیجے

خار، دل کہتا ہے جاں کیجے اُس گل پہ نثار
عقل کہتی ہے سمجھ سوچ کے سودا کیجے



ڈرا حسرتا وہ اپنی جفا کم نہ کر سکے — ترکِ وفا علاج تھا سو ہم نہ کر سکے
شیرازۂ حیات بکھرتا چلا گیا — ہم کاروبارِ زیست منظّم نہ کر سکے
یہ ڈر تھا یار شکوۂ بیجا نہ جان لے — محرومیِ حیات کا ماتم نہ کر سکے
دل آشنائے لذتِ ہجراں تو ہو گیا — اچھا ہوا وہ وعدۂ محکم نہ کر سکے
غم ہے یہی کہ ہو نہ سکے وہ شریکِ غم — اپنی خوشی میں غم میرا مدغم نہ کر سکے
تر آستین اپنی ہی کرتے رہے سدا — دامانِ دوست حیف کبھی نم نہ کر سکے
اُن کی نگاہِ لطف سے محروم ہی رہے — سامانِ زیست کوئی فراہم نہ کر سکے
کیا ہوں بیان اُن کی تلوّن مزاجیاں — وہ چار روز جور بھی پیہم نہ کر سکے
دل سے کسی کی یاد بھلائی نہ جا سکی — یہ سلسلہ ہے ہم جسے برہم نہ کر سکے
معبد تو اور بھی ہیں بجز آستانِ دوست — عاشق سرِ نیاز کہیں خم نہ کر سکے

اے خاس اُن کی خاطرِ نازک کا تھا خیال
ہم حالِ زار سے انہیں محرم نہ کر سکے



صعوبتِ شبِ فرقت کسی کو کیا معلوم　جو ہم پہ ٹوٹی قیامت کسی کو کیا معلوم

مریضِ عشق کی حالت کسی کو کیا معلوم　یہ سوزِ غم کی حرارت کسی کو کیا معلوم

عزیز کیوں ہے صعوبت کسی کو کیا معلوم　ہے زیست غم کی بدولت کسی کو کیا معلوم

اب اتنے بھی نہیں ناداں کہ فکرِ چارہ کریں　ہے درد حاصلِ الفت کسی کو کیا معلوم

زمانے بھر میں تھا شہرہ، سمجھ رہے تھے ہم　ہمارا رازِ محبت کسی کو کیا معلوم

جفائے دوست سے ہیں لوگ طعنہ زن ہم پر　ہے کسقدر ہمیں خفت کسی کو کیا معلوم

رنگے گئے خون میں وہ ہاتھ قتل کر کے ہمیں　حنا ہے اس کی علامت کسی کو کیا معلوم

ہم اپنی وحشتِ دل کا بیان کس سے کریں　گراں ہے یار کی صحبت کسی کو کیا معلوم

طوافِ کوچۂ دلدار حجِ اکبر ہے　ہے وہ گلی میری جنت کسی کو کیا معلوم

وہ کہہ رہے ہیں کہ کچھ درد سا ہے سینے میں　یہ جذبِ دل کی کرامت کسی کو کیا معلوم

جو خاکؔ دل پہ گزرتی ہے دل ہی جانتا ہے
ہمارے درد کی شدت کسی کو کیا معلوم



دین و دل کھوئے گئے حسن پہ شیدا ہو کر
اُڑ گئے ہوش مے عشق کا رسیا ہو کر

یہ بتا تو ہی کہاں جاؤں میں تیرا ہو کر
تیرا بندہ ہوں رہوں گا تیرا بندہ ہو کر

اہلِ اُلفت میں بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے
آبرو پائی تیرے عشق میں رسوا ہو کر

حیف مٹ کر تیری الفت میں بنا دل کا غبار
کاش رہتا میں تیری آنکھ میں سرمہ ہو کر

خون کر دیں گے تمنا کا یہ معلوم نہ تھا
دل میں آباد جو تھے دل کی تمنا ہو کر

کوئی اب تیرے تماشائی کا عالم دیکھے
رہ گیا آپ ہی کمبخت تماشا ہو کر

دل مجھے کوچۂ قاتل میں لیے جاتا ہے
دیکھیے شوق چلا ہے میرا اگوا ہو کر

طوق یہ خوب ہے پابندِ محبت کے لیے
پڑ گئی زلف گلے میں میرے پھندہ ہو کر

ہم جو بھولے کبھی اے شوخ ستم گر تجھ کو
درد نے یاد دلائی ہمیں دونا ہو کر

بے غمِ عشق کبھی سچ ہے کہ نہیں لطفِ حیات
زیست ہے اُس کی جو جیتا ہے کسی کا ہو کر

دو قدم بھی نہ چلا ہوگا کہ دل بیٹھ گیا
خار اُٹّھا تھا تیری بزم سے کچّا ہو کر



ہائے رے تلخیاں محبت کی
صبح فرقت کی شام فرقت کی

زندگی دیکھیے محبت کی
دن قیامت کا شب قیامت کی

ابتدا کے وہ ذوق و شوق کہاں
اب وہ آنکھیں نہیں مروت کی

خونِ دل خونِ آرزو و امید
سرخیاں ہیں مری حکایت کی

اُف رے طولانی شبِ ہجراں
کو تھی حیف روز وصلت کی

کتنے پیمان کتنے دل توڑے
اُس پہ یہ حجتیں نزاکت کی

لو جفائیں بھی صرفِ غیر ہوئیں
خار کیوں آپ نے شکایت کی



وہ جاوِ داں اگر ہے تو یہ دائمی نہیں   آخر غمِ حیات، غمِ عاشقی نہیں
عاشق پہ التفات نہیں دلدہی نہیں   شاید کہ خوئے حسن وفا دوستی نہیں
یوں سن کے ٹال جانا کہ گویا سُنی نہیں   جیسے ہماری بات کوئی بات ہی نہیں
محرومِ لطفِ دوست، خراباتِ عشق میں   پی اور پی کہ بادۂ غم کی کمی نہیں
اس طرح سُن رہے ہیں میری داستانِ غم   گویا یہ آگ اُن کی لگائی ہوئی نہیں
ہم زیست سے خفا ہیں کہ ہم سے خفا ہے دوست   یہ عذرِ زندگی ہے کوئی زندگی نہیں
وہ دلدہی وہ مہر و مروت عطا و لطف   آغازِ عشق کی وہ کوئی بات بھی نہیں
پھر کر رہی ہے دل کا تقاضہ نگاہِ یار   وہ ہی نظر جو پھر ہمیں پہچانتی نہیں
دیکھو مریضِ غم نے سنبھالا لیا نہ ہو   کہتا ہے دل میں درد نہیں بے کلی نہیں
تیری جفا مٹا نہ سکی نقشِ اوّلیں   ظالم وہ ابتدا کی وفا بھولتی نہیں

اے خارؔ جور حد سے تجاوز تو کر چکے
کیا کیجیے گلہ کہ وفا مقتضی نہیں



بہار آئی تو جانِ بہار رُوٹھ گیا
ہُوا جو پیار کے قابل تو یار رُوٹھ گیا

خفا ہو ہم سے بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی
یہ کیا کہ بندے سے پروردگار رُوٹھ گیا

شراب زہر ہے اُن مست انکھڑیوں کی قسم
کہ جب سے ساقیِ مینا کنار رُوٹھ گیا

اُدھر وہ ناز سے تیوری چڑھائے بیٹھے ہیں
اِدھر ہمارا دلِ بے قرار رُوٹھ گیا

بِکس کے رہ گئی اے وائے اپنے دل کی کلی
کہ ہم سے حیف وہ جانِ بہار رُوٹھ گیا

تمھیں کو کیا کہیں دنیا بدل گئی جب سے
ہمارا بختِ سیہ روزگار رُوٹھ گیا

ہمارا یار و مددگار مونس و غم خوار
دلِ حزیں بھی بری طرح خاری رُوٹھ گیا



مقتل کی طرف آتے ہیں شمشیر تنی ہے
تو کشتۂ انداز مقدر کا دھنی ہے

وہ نوک پلک، نشتر د سوفار ہو جیسے
ستواں وہ بدن اُس کا کہ نیزے پہ انی ہے

لب ہیں مِسی مالیدہ کہ الماس کی قلمیں
ہر دانت پہ دھوکہ ہے کہ ہیرے کی کنی ہے

اے صبر و سکوں ہوش و خرد لوٹنے والے
یہ دعوتِ دیدار نہیں، راہ زنی ہے

اللہ رے ظالم تیرے قانون کی بندش
کہتے نہیں بنتا ہے کہ کیا ہم پہ بنی ہے

نادان ہو، سمجھے نہیں فطرت کا تقاضہ
کیوں عہدِ جوانی میں یہ اعضا شکنی ہے

ہم کوچۂ دلدار سے نکلے تو یہ جانا
کس درجہ الم ناک غریب الوطنی ہے

سب کچھ ہے میرے پاس اگر ہے غمِ جاناں
ہوں مفلس و قلاش مگر دل تو غنی ہے

مقسوم میرا وحشتِ دل، آبلہ پائی
قسمت تیری غنچہ دہنی، گلبدنی ہے

اب اپنا گریباں ہے، نہ اُس شوخ کا دامن
اب مشغلۂ دستِ جنوں سینہ زنی ہے

یہ رنگ، نہ یہ روپ رہے گا، نہ زر و مال
کس دن کے لیے نخاسؔ یہ سب ما و منی ہے



جوانی کے چرچے ہیں اہلِ ہوس میں   حضور آ نہ جائیں کہیں اُن کے بس میں
تھے اُلجھے ہُوئے بال و پر خار و خس میں   میرے ساتھ تھا آشیاں بھی قفس میں

بہر طور مجرم ہے بیمار ہجراں   مرے یا جیے ہے بڑی پیش و پس میں
نہ وصل اُس کا ممکن نہ ترکِ محبت   نہ کچھ دل پہ قابو نہ وہ شوخ بس میں

محبت کا دعوٰی اگر ہے تو سیکھو   محبت کی راہیں، محبت کی رسمیں
ابھی ہم نے دیکھے ہیں وعدے تمہارے   کسی اور کے سامنے کھاؤ قسمیں

مہک جیسے بادِ صبا میں گُلوں کی   بسی ہے تیری یاد یُوں ہر نفس میں
صدائے شکستِ دلِ ناتواں ہے   گلوں کی ہنسی میں کلی کی ہِمکس میں

کبھی کا کیا ہوتا ترکِ تعلق   اگر ہوتا ناصح میری دسترس میں
ہے فرقت زدہ دل کا اپنے وہ عالم   کہ ہو مرغِ محبوس جیسے قفس میں

ہمیں راس اے خاکؔ آئیں نہ آئیں
یہ دُنیا کی باتیں، یہ دُنیا کی رسمیں



کمی نہیں ہے بہانوں کی حیلہ جُو کے لیے
زمانہ چاہیے تکمیلِ آرزو کے لیے

ہزار ڈھنگ نکالوں گا گفتگو کے لیے
چلا ہوں یار سے اظہارِ آرزو کے لیے

ہے وجہِ شرم و ندامت میرے گُلو کے لیے
کہ تشنہ خنجرِ قاتل رہے لہو کے لیے

تم اپنی زلف گرہ گیر کو نہ سلجھاؤ
یہ طوق خوب ہے عشّاق کے گلو کے لیے

خدا نے حسن دیا ہے تو دل نوازی سیکھ
جفا و جور نہیں خوبرو کے لیے

کرے مذمّتِ مے شیخ اگر تو ایسا ہو
کہ اس کو آب میسر نہ ہو وضو کے لیے

اسے بھی ایک اضافہ کرم میں سمجھوں گا
کہ تیرا جور کبھی جائز نہ ہو عدو کے لیے

ابھی سیے ہیں فقط چاک جیب و دامن کے
ابھی تو اور ہیں گنجائشیں رفو کے لیے

جو چاہو خیر تو کہتے رہو بجا، برحق
کلیجہ چاہیے اُس بت سے دوبدو کے لیے

نہ چاہیے تجھے اتنا غرورِ حسن، کہ دل
ہے آئینہ تیری تمثیلِ ہوبہو کے لیے

وہ اپنے بندوں میں ہم کو شمار کرتے ہیں
اِک عمر خارؔ گنوائی اِس آبرو کے لیے



ہمیں تو عشق میں بھی زیست کا مزا نہ ملا
نظر ملی بھی تو دل تیرا دلربا نہ ملا

ملا نہ خاک میں اور دشمنِ وفا نہ ملا
نظر عدو سے سرِ بزم بر ملا نہ ملا

نہ کوئی وصل کا وعدہ، نہ قتل کا مژدہ
وفا کا حسن کی سرکار سے صلہ نہ ملا

ملے خدا کے بھی بندے بتوں کے بندے بھی
مگر حضور کوئی بندۂ وفا نہ ملا

ہم اُن سے اپنی وفاؤں کی داد کیا چاہیں
یہی بہت ہے کہ اُلٹا ہمیں گلہ نہ ملا

ملے ہزار غرض آشنا زمانے میں
ہزار حیف کوئی درد آشنا نہ ملا

متاعِ درد ملی رنج و غم کی دولت بھی
رہِ طلب میں ہوئے گامزن تو کیا نہ ملا

ہم اس سے چار ہیں کیا عرض مدعا کرتے
کبھی ہمیں تنِ تنہا وہ خوش ادا نہ ملا

پھر اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں زمانے میں
نگاہِ دوست جسے تیرا آسرا نہ ملا

ہمارے ساتھ تھا وہ جلوہ گاہِ جاناں تک
دلِ حزیں کا ہمیں پھر کہیں پتہ نہ ملا

ریاضِ دہر میں واحسرتا کہ خاری ہمیں
مزاج داں نہ ملا، کوئی ہمنوا نہ ملا



اگرچہ وصل کا اقرار بھی ہے
مگر کل آج کی تکرار بھی ہے

شکایت بھی ہے اُس سے پیار بھی ہے
وہ ظالم ہے مگر دلدار بھی ہے

اِسی کو دل جلے کہتے ہیں مقتل
اِسی کا نام بزمِ یار بھی ہے

سرِ شوریدہ بھی ہے سنگِ در بھی
دلِ محوِ نشاطِ کار بھی ہے

مثالِ چاکِ دل چاکِ گریباں
جوابِ رشتۂ زُنّار بھی ہے

علاجِ دردِ اُلفت، دردِ اُلفت
یہ خود درماں بھی ہے آزار بھی ہے

ہیں پامالِ خرامِ ناز ہم بھی
چمن میں نرگسِ بیمار بھی ہے

اجل کو بھی پکارے جا رہے ہیں
تمنائے وصالِ یار بھی ہے

کچھ ایسا ہی چلن ہے میکدے کا
جو غافل ہے وہی ہُشیار بھی ہے

میری تربت کو وہ ٹھکرا کے بولے
کہ دیکھو اب زمیں ہموار بھی ہے

زہے قسمت کہیں وہ یوں سرِ بزم
غلاموں میں ہمارے خاکسار بھی ہے



تیری یہ دین بھی کچھ کم نہیں ہے
متاعِ زندگی بے غم نہیں ہے
وفا کے سوگ میں پُرنم ہیں آنکھیں
دلِ مرحوم کا ماتم نہیں ہے
ہے دیکھی کس نے فردائے قیامت
یہ وعدہ، وعدۂ محکم نہیں ہے
نہیں ہوں جرمِ اُلفت پہ پشیماں
سرِ محشر بھی گردن خم نہیں ہے
ہے واقف زخمِ دل حقِ نمک سے
کہ وہ شرمندۂ مرہم نہیں ہے
اسیرانِ چمن روئے ہیں شب بھر
ارے صیاد یہ شبنم نہیں ہے
ہماری خوبئ تقدیر ہے خار
مزاج اُس شوخ کا برہم نہیں ہے

کب ترس کھائے کوئی کب میری شنوائی ہو
دیکھیے کب میری مقبول جبیں سائی ہو

دیکھنا دیکھنے والے کو بھی کچھ ہوش رہے
خود تماشہ نہ کہیں تیرا تماشائی ہو

صورتِ بادِ صبا جاتے ہیں اُس کوچہ میں
ہم کو منظور نہیں یار کی رسوائی ہو

پیرہن چاک کریں آپ کے دیوانے اِدھر
اور اُدھر صحن گلستاں میں بہار آئی ہو

حق تو یہ ہے کہ فقط جانِ تمنا ہی نہیں
باعثِ زیست ہو تم جانِ تمنائی ہو

حرم و دیر میں میخانہ میں جلوا ہے تیرا
کوئی خاکم بدہن، تجھ سا نہ ہرجائی ہو

گر گرے بادہ فروشی تیری چشم مخمور
کوئی صہبائی و جامی، کوئی مینائی ہو

دل کو ضد بزم میں ہم اُس کی بھلا کیسے جائیں
جان پہچان نہ کچھ جس سے شناسائی ہو

جب میں جانوں کہ اثر جذبۂ دل ہے تجھ میں
بات میری کبھی اُس شوخ سے منوائی ہو

یاد آیا مجھے آغازِ محبت کا سماں
ہاں اُسی ناز سے پھر صرفِ دل آرائی ہو

عشق کی حد سے گزر ملکِ جنوں میں آخاکر
پختہ کاری کے یہ معنی ہیں کہ سودائی ہو



یہ حسینوں پہ پھسلنے کی ہے عادت کیسی
ہم نے بھی پائی ہے کمبخت طبیعت کیسی

شکوۂ جور جفاؤں کی شکایت کیسی
ہار دی حضرتِ دل، آپ نے ہمت کیسی

سیکھ مرجھائے ہوئے پھول سے غیرت کا سبق
دیکھ دم بھر میں بدل جاتی ہے صورت کیسی

سوئے منظر تو نظر کیجے اٹھا کر پردہ
ہے بپا آپ کے جلوے سے قیامت کیسی

عزمِ صحرا ہے عبث دیکھ تو اے خانہ خراب
ہے ٹپکتی در و دیوار سے وحشت کیسی

حاصلِ زیست ہے نادان، یہ دردِ الفت
دلِ شوریدہ سمجھتا ہے اذیّت کیسی

انقلاباتِ زمانہ کو ہُوا کیا اے خمارؔ
ٹک گئی آ کے میرے گھر شبِ فرقت کیسی



اللہ رے عشق، ترکِ تعلق کے باوجود
اہلِ نیاز کا ہے وہی جذبۂ سجود

وارفتگی میں قیدِ زمان و مکاں نہیں
قائم جنوں کی ہو نہ سکیں آج تک حدود

وہ حسن، وہ شباب، وہ شوخی کہ الاماں
دیکھیں اگر فرشتے تو پڑھنے لگیں درود

یوں دل میں اپنے جلوۂ جاناں سما گیا
اس خاکداں میں جیسے ہوا روح کا ورود

سودا کیا جو عشق کا تو پوچھیے نہ مول
بازی لگائی جان کی تو پھر کیا زیان و سود

کس پر عیاں ہیں راز تیری کائنات کے
ہے کون اس جہاں میں شناسائے ہست و بود

گوئی کہ ملک اوست، زما ہیچ کار نیست
آں شوخ و شنگ خار پچناں و ل زمن ربود



ادھر مجبوریوں پر خوبیٔ تقدیر ہنستی ہے
اُدھر دل میں خموشی بت بے پیر ہنستی ہے

اسیری پر ہماری اہلِ زنداں خندہ کرتے ہیں
ہماری وحشتوں پر آہنی زنجیر ہنستی ہے

کسی کے رُخ کے آگے چاند سورج ماند ہوتے ہیں
ستاروں پر کسی کے حسن کی تنویر ہنستی ہے

دعائے نارسا ہے آہِ بے تاثیر پر خنداں
دعائے نارسا پر آہِ بے تاثیر ہنستی ہے

بُت بے پیر یہ کیسی دوعملی ہے، پریشاں ہوں
کہ تو چیں بر جبیں ہے اور تیری تصویر ہنستی ہے

خیالِ ابتدائے عشق میں انجام سے غافل
تیری غفلت پہ تیرے خواب کی تعبیر ہنستی ہے

نمایاں خاکِ سرا یہ موجِ تبسم ہے، نہیں جوہر
لہو چاٹا ہے شاید اس لیے شمشیر ہنستی ہے



جب نہ ترکِ جفا کرے کوئی
کس طرح پھر جیا کرے کوئی

وہ یہ کہتے ہیں کیوں ہمیں چاہا
چاہ کر کیوں گلہ کرے کوئی

ہو چکا دردِ عاشقی کا علاج
موت کی کیا دوا کرے کوئی

جذبۂ دل تجھے بھی دیکھ لیا
کیا تیرا آسرا کرے کوئی

کس بھروسہ پہ اے وفا دشمن
جان تجھ پر فدا کرے کوئی

ہے تو ترکِ وفا جفا کا علاج
دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی

اُس جفا پیشہ جور پیکر سے
خارؔ کیا التجا کرے کوئی



آئینۂ دل میں، ہے عکسِ رخِ جانانہ
دلدار کے جلوؤں سے پُرنور ہے کاشانہ

ہے بزمِ وجوب مے یہ لغزشِ مستانہ
کرتا ہوں ادا ساقی میں، سجدۂ شکرانہ

ہیں راز و نیاز اپنے اُس بُت سے تصور میں
اُجڑا ہوا دل اب بھی ہے رشکِ پریخانہ

کعبے سے غرض اُن کو نے دیر سے کچھ مطلب
ہے اہلِ محبت کا مشرب ہی جُداگانہ

پُرلطف فضائیں ہیں، پُرکیف ہوائیں ہیں
آغوش میں بادل کی منوّر ہے میخانہ

عاشق ہوں میں ساقی کی اُس چشمِ خماری کا
بچتا ہی نہیں مجھ کو یہ شیشہ و پیمانہ

اے خاؔر بُرا مانا کیوں بات کا ناصح کی
دیوانے سے جو اُلجھے وہ خود بھی ہے دیوانہ



کچھ زیست میں لطف ہی نہیں ہے
یہ زندگی، زندگی نہیں ہے
مرنے کا کبھی کوئی غم نہ ہوگا
جینے کی بھی کچھ خوشی نہیں ہے
بے سود ہے چارہ سازیٔ غم
بیمار کی زندگی نہیں ہے
گنجینۂ دل میں دردِ الفت
بھرپور ہے کچھ کمی نہیں ہے
کیا عرض کریں مُرادِ دل کی
کچھ آپ سے تو چھپی نہیں ہے
رُخ میری طرف نظر کہیں اور
یہ کیا ہے جو بے رخی نہیں ہے
کیا تجھ پہ بنی بتا تو اے حنآر
وہ بات ہی پہلے سی نہیں ہے



ایسی کوئی تدبیر کرو ردِ بلا ہو
اے ہم نفسو! خواہ دوا ہو کہ دعا ہو

منظور تمھیں بھی تو کبھی میری رضا ہو
ہے دعوئ الفت تو برابر سے نباہ ہو

اے خالقِ کونین وہ مائل بہ وفا ہو
یا آہن و فولاد کا دل مجھ کو عطا ہو

چُپ ہوں کہ گراں خاطرِ نازک پہ نہ گزرے
اظہارِ وفا اور تمنائے وفا ہو

اُن سے جو کبھی کیجیے بیداد کا شکوہ
فرماتے ہیں تم ہم سے ستمگر کو نہ چاہو

دیکھے کوئی اُس دم کسی شیدائی کا عالم
جب عرضِ تمنا کا وہ ڈھب سوچ رہا ہو

تو آج غمِ زیست کا جھگڑا ہی چکا دے
ہاں اے خلشِ دردِ جگر اور سوا ہو

پھر تیرے تماشائی پہ ہیں ہوش کے آثار
پھر اُس کی طرف اک نگہِ ہوش ربا ہو

دوہرا دے وہی طور کی موسیٰ کی حکایت
تو بھی اُسی انداز سے پھر جلوہ نما ہو

میں بادۂ انگور کا تشنہ نہیں ساقی
اک جرعۂ بس ان مست نگاہوں سے عطا ہو

ہے اک نگہِ لطف جفاؤں کی تلافی
کافر ہوں اگر خارؔ مجھے پھر بھی گلہ ہو



ہائے نکلا نہ حوصلہ دل کا
ہاتھ اوچھا پڑا ہے قاتل کا
ڈر ہے انجامِ جستجو کا مجھے
غم نہیں قرب و بعدِ منزل کا
رفتگاں کے مٹے سے نقشِ قدم
دے رہے ہیں سُراغ منزل کا
بڑھ بھی راہِ عمل میں مردِ خدا
بُعد کیا دیکھتا ہے منزل کا
اب وہ اگلی سی صحبتیں نہ رہیں
رنگ بدلا ہُوا ہے محفل کا
ہے ستم پردۂ کرم میں نہاں
پھر خیال آیا نیم بسمل کا

مژدہ اے خاکؔ آج محفل میں
ذکر تھا تجھ سے ننگِ محفل کا



دل نشیں خوبرو نہ ہو جائے
جاگزیں آرزو نہ ہو جائے
چل نہ جائے نگاہ کا جادو
زلف طوقِ گلو نہ ہو جائے
مرغِ دل کے لیے بہارِ حسن
قفسِ رنگ و بو نہ ہو جائے
گاہے گاہے خیال ہے جس کا
اُس کی پھر جستجو نہ ہو جائے
پا کے مشتاق کھنچ نہ جائے کوئی
کوئی بیگانہ خو نہ ہو جائے
دامنِ صبر و ہوش کو تیرے
احتیاجِ رفو نہ ہو جائے
خاکسار الفت میں تو کہیں سوا
دربدر کو بہ کو نہ ہو جائے



وہ وفائے یارِ جانی کیا ہوئی
وہ فضائے کامرانی کیا ہوئی

کیا ہوئی، مہر و مروّت کی نظر
حسن کی وہ مہربانی کیا ہوئی

سرد مہری سے نہ باز آیا کوئی
عشق کی شعلہ فشانی کیا ہوئی

درد و غم، رنج و الم، آہ و بکا
یوں ہوئی گر زندگانی کیا ہوئی

کیا ہوئی تیری تڑپ اے دردِ دل
اشک ہائے غم، روانی کیا ہوئی

ہو غمِ ہستی کا کچھ ردِّ عمل
ہائے مرگِ ناگہانی کیا ہوئی

کس لیے چُپ لگ گئی کیا راز ہے
خاؔر وہ شیوہ بیانی کیا ہوئی



عنایت دن بدن ناچیز پر کم ہوتی جاتی ہے
میری رُوداد اک افسانۂ غم ہوتی جاتی ہے

نگاہِ یار تجھ سے آج برہم ہوتی جاتی ہے
یہ بزمِ عیش مجھ کو بزمِ ماتم ہوتی جاتی ہے

یہاں الجھاؤ دل کے اور بڑھ جاتے ہیں مشاطہ
تیرے شانے سے زلفِ یار پُرخم ہوتی جاتی ہے

وہ دن نزدیک ہیں جب قحط ہوگا آدمیت کا
کہ اس سے دُور تر اب نسلِ آدم ہوتی جاتی ہے

مزے راز و نیازِ عشق کے آتے ہیں پے در پے
تصور سے کسی کے چھیڑ پیہم ہوتی جاتی ہے

بتایا تھا کہ گریہ جگ ہنسائی کا سبب ہوگا
مگر یہ آنکھ پھر کمبخت پُرنم ہوتی جاتی ہے

نہ کیوں اے خاکسار پھر دعویٰ خدائی کا کرے وہ بت
جب اُس کی رہگزر مسجودِ عالم ہوتی جاتی ہے



تو نے دیا بھی ہم کو خدایا تو کیا دیا
یہ اک عذابِ جاں دلِ درد آشنا دیا

دل کو جلاتی گرمیِ بزمِ عدو تو کیا
اُس کو تو سرد مہری نے تیری جلا دیا

ناکام آرزو نے جو مانگی دعائے مرگ
درباں اُس نے بابِ اثر پر بٹھا دیا

دامانِ تار تار و گریبانِ چاک چاک
دستِ جنوں نے ہم کو یہ خلعت پہنا دیا

جب تختۂ مشقِ جور نہ باقی بچا کوئی
پھر کشتگانِ ناز کو اس نے جلا دیا

سو جان سے تصوّرِ جاناں تیرے نثار
سینہ کو رشکِ گلشنِ رضواں بنا دیا

رشکِ رقیب، دردِ جدائی، غمِ وصال
اُن سب نے مل کے خاک میں ہم کو ملا دیا



بجز آہ و فغان و نالہ و فریاد کیا کرتے
دلِ آزردہ بتا تو اے ستم ایجاد کیا کرتے

دلِ شیدا کو اپنے پھینکتے کیا چیر کے پہلو
خیالِ یار تجھ کو خانماں برباد کیا کرتے

اسے ترکِ ادب کہتے ہو وہ ترکِ وفا ہوتا
نہ لیتے گر بلائیں عاشقِ ناشاد کیا کرتے

منغض عیش کیوں کرتے فسردہ دل تیری خاطر
تجھے وہ بزم میں اوننگِ محفل یاد کیا کرتے

مریضِ دردِ الفت پر بلا ان کی ترس کھاتی
کوئی حرفِ تشفی لب سے وہ ارشاد کیا کرتے

نیا شوقِ ستم تھا پست ہوتا تھا حوصلہ اُس کا
وفا سے دور تھا ہم شکوہ بیداد کیا کرتے

کچھ ایسے ہو گئے مجبور دل دیتے ہی بن آئی !
عبث ہے خار اب غم ہر چہ باداباد کیا کرتے



عجب رو زرنج والم دیکھتے ہیں
جو آنکھیں دکھاتی ہیں ہم دیکھتے ہیں

کرم ہائے اہلِ ستم دیکھتے ہیں
ستم ہائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

بچا کر نظر کعبہ و بتکدے سے
سوئے آستانِ صنم دیکھتے ہیں

جو ہیں واقفِ لذتِ دردِ الفت
ستم میں بھی شانِ کرم دیکھتے ہیں

طلب پھر طلب غم کی اور وہ بھی اتنی
غمِ دو جہاں کو بھی کم دیکھتے ہیں

سمجھتے ہیں جھوٹے ہیں وعدے مگر پھر
سوئے رہ گزر دم بدم دیکھتے ہیں

کسی سے ہم اے خار کیا دل لگائیں
کہ نقشِ وفا کالعدم دیکھتے ہیں



تیرا ظلمِ ناروا اور نازِ بے جا دیکھ کر
میں تو چپ ہوں کیا کہے گی تجھ کو دنیا دیکھ کر

وائے محرومیِ قسمت یار نے ڈالی نقاب
مجھ حریصِ دید کو محوِ تماشا دیکھ کر

نالہ و شیون پہ میرے خندہ زن احباب ہیں
جل گیا دل یہ سلوکِ اہلِ دنیا دیکھ کر

اب کوئی دم میں خدا چاہے تو قصہ پاک ہے
چل دیے بیمارِ غم کو خود مسیحا دیکھ کر

یاد جب آتی ہے ساقی کی وہ چشمِ مے فروش
خون روتا ہوں میں سوئے جام و مینا دیکھ کر

ایک مدفن حسرت و ارمان کا پہلو میں ہے
کیا کریں گے آپ میرے دل کی دنیا دیکھ کر

پاسِ وعدہ ہے، نہ الطاف و کرم، مہر و وفا
خاؔر اُس کو دل دیا تھا پھر بھلا کیا دیکھ کر



لایا تو رنگ جذبِ دلِ بیقرار آج
مجھ نیم جاں پہ آ ہی گیا ان کو پیار آج
اس زلفِ مشکبو کی اڑا لائی ہے یہ بو
اِتراتی پھر رہی ہے نسیمِ بہار آج
ساقی کی چشمِ مست نے جادو سا کر دیا
ہر ہوشیار پھرتا ہے مستانہ وار آج
مُشفق تھا، مہربان تھا، ہمدم تھا، غمگسار
ہم اپنے دل کے واسطے ہیں سوگوار آج
سیرِ چمن تو روز کا ہے مشغلہ تیرا
آ، ہم دکھائیں اپنا دلِ داغدار آج
آ، او جنونِ عشق کی ہم ڈال دیں حدیں
آ، قبائے زیست کریں تار تار آج
یہ ہے خمارِ بادۂ سر جوشِ عشق کا
دل میں جو بیکلی سی بتاتے ہو خار آج



اور ایسا کوئی مہجور، نہ دیکھا، نہ سُنا
دلِ ناکام سا رنجور، نہ دیکھا، نہ سُنا
آپ سا صاحبِ مقدور، نہ دیکھا، نہ سُنا
اپنا جیسا کوئی مجبور، نہ دیکھا، نہ سُنا
یُوں تو اوروں کو بھی دنیا میں ملا حسنِ شباب
اُف مگر آپ سا مغرور، نہ دیکھا، نہ سُنا
خاک میں اپنے ہی بندوں کو ملانا، یہ رواج
ہم نے یہ رسم، یہ دستور، نہ دیکھا، نہ سُنا
بوالہوس کہنے لگا اپنے کو عاشق، کیا خوب
نامِ زنگی کبھی کافور، نہ دیکھا، نہ سُنا
ناصحا تو بھی ہے معذور کہ تو ہوش میں ہے
تو نے وہ حسنِ سرِ طور، نہ دیکھا، نہ سُنا
دیکھ کر مجھ کو نہ یوں ڈالیے چہرے پہ نقاب
خار سے گل کہیں مستور، نہ دیکھا، نہ سُنا



پردہ تھا کوئی اور نہ کوئی حجاب تھا
کیا دور تھا کہ ذوقِ نظر کامیاب تھا

ہم پر کرم تھا دوست کا اور بے حساب تھا
اب کیا کہیں مشاہدہ تھا نہ کہ خواب تھا

دو گھونٹ مے میں کون سا بھاری عذاب تھا
ساقی کے ساتھ پینا تو زاہد ثواب تھا

کیا کیا مزے اُٹھائے دلِ دردمند نے
خلوت سرائے ناز میں جب باریاب تھا

ساقی لیے تھا دستِ نگاریں میں جامِ مے
یا شاخِ یاسمن پہ شگفتہ گُلاب تھا

کس مستِ ناز کی تھی مداراتِ پُر بہار
ہر نخلِ گُل کے ہاتھ میں جامِ شراب تھا

ہے دل سے دل کو راہ غلط سر بسر غلط
تھا ہم کو اشتیاق اُنھیں اجتناب تھا

سُنتے ہیں بزمِ دہر کا نقشہ بدل گیا
بدلی نہ خوئے حسن، یہ کیا انقلاب تھا

اُلفت کے میکدے میں خراباتِ عشق میں
ہم نے سُنا ہے خا آسیِ حزیں بھی خراب تھا



بھریں گے زخمِ دل زخمِ جگر کیا　　کریں گے چارہ سازی چارہ گر کیا
نہ ہو دردِ محبت تو جگر کیا　　نہ ہو جس میں تیرا سودا وہ سر کیا
چراغِ زندگانی گل نہ ہو جائے　　تجھے منظور ہے آہِ سحر کیا
یہاں پیشِ نظر وہ شوخ ہر دم　　نجانے ہے اُسے مدِّ نظر کیا
مفصل ان سے اپنی عرض معروض　　اور اُن کا اک جوابِ مختصر "کیا؟"
تجھے میری قسم قاصد اِدھر دیکھ　　کہا جو، تھا کلام معتبر کیا؟
مثالِ رہ گزر ہے دارِ فانی　　بنائیں رہ گزر میں اپنا گھر کیا
جہاں میں یار بھی اغیار بھی ہیں　　کرم فرما اگر تم ہو تو ڈر کیا
یہ مانا کچھ سوا ہے اہلِ دل کو　　وگرنہ ہم سے دنیا میں مفر کیا
رضائے دوست آئینِ وفا ہے　　محبت میں اگر کیا اور مگر کیا

جفا پیشہ سبھی ہیں بت، سنگدل بھی
دل آئے خار تو کیجے حذر کیا



در پئے جورِ صنم بھی فلکِ پیر بھی تھا ۔ بے اثر آہِ سحر نالۂ شب گیر بھی تھا

بزم میں وہ بھی تھے ہم بھی دلِ دلگیر بھی تھا ۔ کیوں نہ جاتے نکر اک عالمِ تصویر بھی تھا

یہ مہارت ہے خدا داد کہ اے پیکرِ جور ۔ تیرا اس فنِ لطیفہ میں کوئی پیر بھی تھا

شاملِ حال میری خوبیِ تقدیر تو تھی ۔ سہما سہما ہُوا قاصد دمِ تقریر بھی تھا

عشق کا تیر بھی کیا چیز ہے اللہ اللہ ۔ یعنی خود زد میں شکاری بھی تھا نخچیر بھی تھا

تھا بلا شبہ جنونِ شوقِ فراواں کی دلیل ۔ پر منافیِ وفا، باعثِ تشہیر بھی تھا

ہم اکیلے ہی گنہ گار جو ٹھہرائے گئے ۔ واردِ حشر کوئی کاتبِ تقدیر بھی تھا

مجرمِ عشق کو نہ تیغ کیا، خوب کیا ۔ ہاں وہ گردن زدنی لائقِ تعزیر بھی تھا

دیکھ لیتا میرا دل چیر کے سینہ میرا ۔ میں بھی قبضہ میں ترے قبضۂ شمشیر بھی تھا

نہ تو خط کا ہی جواب آیا، نہ پلٹا قاصد ۔ یہی اندیشہ ہمیں ہمدم دمِ تحریر بھی تھا

خاؔر مانا کہ کٹی عشقِ بتاں میں اک عمر
خواب تیرا کوئی شرمندۂ تعبیر بھی تھا



چھوڑ کر زمانے کو، چھوٹ کر زمانے سے
ہم بتا کہاں جائیں تیرے آستانے سے

کوئی پوچھے کیا پایا زندگی گنوانے سے
ان بتوں کی الفت میں لگ گئے ٹھکانے سے

اُن کو بھی یقین آئے، دل کو بھی قرار آئے
لے کے آ انھیں قاصد تو کسی بہانے سے

دل میں کیا گماں آئے کیا کہیں شبِ وعدہ
تیرے وعدہ کرنے سے اور پھر نہ آنے سے

بیوفا کہا میں نے، ہاں کہا زمانے کو
آپ تو خدا رکھے ہیں جدا زمانے سے

باعثِ تمسخر گو میری خستہ حالی تھی
لوگ اور کچھ سمجھے تیرے مسکرانے سے

رنج و غم، الم، پیہم آہ و نالہ و شیون
خار ہم تو باز آئے ایسے دل لگانے سے



زیست کوئے صنم میں گزرے گی
ورنہ ملکِ عدم میں گزرے گی
کچھ تیری جستجو میں گزری عمر
اور کچھ تیرے غم میں گزرے گی
تیری آغوش میں عروسِ مُراد
خُوب نازو نعم میں گزرے گی
دم دلاسے دیا کیے دل کو
ساعتِ غم بھی دم میں گزرے گی
گاہ روٹھیں گے گہ منیں گے وہ
بس اِسی شوقِ ورم میں گزرے گی
جان کے ساتھ ہے غمِ جاناں
دم میں دم ہے تو غم میں گزرے گی
خادمؔ ہم ہیں اسیرِ زلفِ دوتا
کشمکشِ پیچ وخم میں گزرے گی

○

سمجھ سکے ہیں تو کچھ اہلِ دل ہی چاہ کا لطف
جو اہلِ درد ہیں وہ جانتے ہیں آہ کا لطف
نہ بھول کر بھی کبھی عرض مدعا کرنا
وگرنہ جائے گا اتنا بھی رسم و راہ کا لطف
وفا پہ حرف نہ آئے بلا سے دم پہ بنے
مزہ تو عشق کا یہ ہے، یہی نباہ کا لطف
مٹا ہے دل سے ہمارے نہ مٹ سکے گا کبھی
تمہاری اِک غلط انداز سی نگاہ کا لطف
محیط دل پہ ہے تاریکیِ غمِ اُلفت
کچھ ہم سے پُوچھیے اس آفتِ سیاہ کا لطف
کسی کے عشق میں خستہ خراب ہی اچھے
ہم ہی اُٹھاتے ہیں اِس عالمِ تباہ کا لطف
ثوابِ زہد سے ہم آشنا نہیں اے حسرتؔ
گناہ گاروں سے پُوچھے کوئی گناہ کا لطف



خونِ ارمان و تمنا کا بہاتے کیوں ہو
دل چُرایا ہے تو اب آنکھ چُراتے کیوں ہو

کچھ سروکار نہیں ہے تو ستاتے کیوں ہو
تم تصور میں ہمیں چھیڑنے آتے کیوں ہو

غیر سے رسم و رہ و ربط بڑھاتے کیوں ہو
یہ کوئی بات ہے یوں خون رُلاتے کیوں ہو

ہم نہ سمجھے کہ یہ آئین محبت کیا ہے
خاک میں چاہنے والے کو ملاتے کیوں ہو

دید میں دید یہ جلوہ بھی کوئی جلوہ ہے
ہوش کیوں کھوتے ہو، دیوانہ بناتے کیوں ہو

اثرِ آہ و فغاں اے دلِ شیدا معلوم
آبرو اپنی دُرِ اشک گنواتے کیوں ہو

خاکؔ جب جان لیا اُس کو نہیں کوئی لگاؤ
بے نیازی پہ بھی تم ناز اُٹھاتے کیوں ہو



جانِ عزیز کھوئیں تیری جستجو کریں
کیوں ترکِ آرزو کی نہ ہم آرزو کریں

دل ڈوبتا ہے چھیڑ نہ فرقت کی داستاں
آ ہم جلیس اور کوئی گفتگو کریں

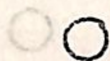
مل جائے بہرِ سجدہ جو تیری حریمِ ناز
کفارِ عشق رخ نہ کبھی قبلہ رو کریں

دیر و حرم سے شیخ چلیں سوئے میکدہ
آ، ان تنازعات کو غرقِ سبو کریں

پژمردہ آرزوؤں میں پھونکیں حیاتِ نو
گر پھر سے عہدِ رسمِ وفا حیلہ جو کریں

لیں کام آج سوزنِ مژگانِ یار سے
تارِ نظر سے چاک کو دل کے رفو کریں

زیادہ کرنہ خار مباوا بگڑ کے وہ
اس جورِ ناروا کو بھی صرفِ عدو کریں



اُس کو تجھ سے حذر نہ ہو جائے
خوش نگہ کم نظر نہ ہو جائے

ڈر ہے دل لے کے جان کا خواہاں
وہ بُتِ سیم بر نہ ہو جائے

گردشِ چشمِ مست اے توبہ
رنگِ عالم دگر نہ ہو جائے

آہ سے جی تو کچھ ٹھہرتا ہے
راز افشا مگر نہ ہو جائے

یا تو بر آئے آرزوئے وصل
تاب دل کو وگرنہ ہو جائے

دل اُسے بھولنے کی کوشش میں
غم کہیں بیشتر نہ ہو جائے

زندگی طُرفہ درد ہے اے خارؔ
عاشقی طُرفہ تر نہ ہو جائے



میں کر رہا ہوں عہدِ وفا بے وفا کے ساتھ
یہ جان کر کہ کھیل رہا ہوں قضا کے ساتھ

جو چاہے کر، سلوک دلِ مبتلا کے ساتھ
ظالم کریں گے یاد تجھے ہم دعا کے ساتھ

اظہارِ آرزو پہ وہ بولے ادا کے ساتھ
پالا پڑا ہے کیسے غرض آشنا کے ساتھ

بڑھ بڑھ کے چومتے ہیں قدم فتنہ ہائے حشر
کون آ رہا ہے عشوہ و ناز و ادا کے ساتھ

دل گیریاں فزوں سے فزوں تر ہوں حسن کی
شوخی کی چاشنی بھی بڑھا دو حیا کے ساتھ

حد سے سوا ہوئی ہیں تیری ترش رُوئیاں
اب دل لگائیں گے کسی شیریں ادا کے ساتھ

تیرے بغیر اب ہے مے انگبیں بھی زہر
ساقی بگاڑ دی میری عادت پلا کے ساتھ

جیسے کہ دل کو ہم سے کوئی واسطہ نہیں
یوں چھوڑ کر چلا ہے ہمیں دلربا کے ساتھ

تصدیق بندگی جو چاہے تو دیکھ لے
نقشِ جبیں ہے میرا ترے نقشِ پا کے ساتھ

جھوٹا خدا کے واسطے دیجے نہ آسرا
کیجے نہ دل لگی دلِ درد آشنا کے ساتھ

اے خاکؔ اُن سے کیجے کیا عرضِ مدعا
پڑتے ہوں بل جبیں پہ جہاں التجا کے ساتھ



نازِ بے جا تیرے بجا کب تک
ستم ناروا روا کب تک
ترک ہو گی نہ یہ جفا کب تک
ہم نبھاتے رہیں وفا کب تک
ضبطِ آہ و فغاں دِلا کب تک
یوں بندھے گی تیری ہوا کب تک
راہ پر آچکا وہ دشمنِ دل !
اُس سے بیداد کا گلا کب تک
کوئی مرنے کی اور ہو تدبیر
تیغِ قاتل کا آسرا کب تک
فکرِ طولِ حیات کون کرے
زندگی بھی ہے بلبلا، کب تک
خاکساروں سے آشنا ہو خاکؔ
دیکھیں وہ چشم سُرمہ سا کب تک



ہم تو شاکر ہیں بلا سے شاد یا رنجور ہیں
بندہ پرور آپ تو کر کے ستم مسرور ہیں

آپ کے تیرِ نظر کے وار سب بھرپور ہیں
دل پہ جو چرکے لگے تھے سب کے سب ناسور ہیں

کچھ مقدر کا گلہ ہے اور نہ شکوہ یار کا
اپنے دل سے تنگ ہیں لاچار ہیں مجبور ہیں

بہکی بہکی سی نگاہیں ڈگمگائے سے قدم
اُف رے دیوانی جوانی بے پئے مخمور ہیں

ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے سرکار یہ حسن و شباب
آپ دو دن کی جوانی پر عبث مغرور ہیں

دل چرانے ہی جلانے کے ہیں سب گھر گھاٹ یاد
دیکھنے میں بھولے بھالے سے ہیں لیکن دور ہیں

کشتگانِ ناز کے حق میں تو اے محشر خرام
شورشیں خلخال کی تیری صدائے صور ہیں

ہاں جفائیں شوق سے کیجے مگر انصاف سے
آپ ہی کہیے محبت کے یہی دستور ہیں

زخم ہائے دل کی قدر و منزلت جن کو نہیں
خار وہ منتِ پذیرِ مرہم کافور ہیں



کیا اثر ہے آہوں میں آؤ، آزما دیکھو
حشر ہم اٹھاتے ہیں آنکھ تم چُرا دیکھو

چاشنی محبت کی، عشق کا مزا دیکھو
دل کبھی بل ہی جائے گا، آنکھ تو ملا دیکھو

گردِ راہ ہو کر بھی یہ قدم نہ چھوڑیں گے
خاک میں ملا دیکھو، تم ہمیں مٹا دیکھو

ابتدائے اُلفت میں غم کی یہ فراوانی
دل پہ کیا گزرتی ہے تا بہ انتہا دیکھو

کانپ اٹھے جہانِ عشق سوئے فتنے جاگ اُٹھیں
شرمسار آنکھوں کو تم ذرا اُٹھا دیکھو

جانتا تھا ہو بد عہد، بیوفا ہو، ظالم ہو
پھر بھی دل دیا تم کو میرا حوصلہ دیکھو

عشق اور رسوائی ہیں یہ لازم وملزوم
بات کھُل ہی جائے گی لاکھ تم چھپا دیکھو

اس قدر نہ برہم ہو، عرضِ حال تو سُن لو
دل کی آرزو دیکھو دل کا مدّعا دیکھو

لاکھ وہ بُرا کہیں خاؔس ان کو زیبا ہے
لب پہ تم نہ لانا پر حرفِ ناسزا دیکھو



دل جس کو چاہے حیف بنے وہ غیر کے پہلو کی زینت
یہ دنیا ہی اب دوزخ ہے جو دنیا تھی کل تک جنّت
وہ پاس رہیں یا دور رہیں، الفت ہے بہر صورت الفت
یکساں ہیں ہماری نظروں میں صبحِ ہجراں شامِ وصلت
اب ہم نے تم کو جان لیا، اندازِ نظر پہچان لیا
جاؤ بھی، ہٹو بس رہنے دو، دیکھی منہ دیکھے کی چاہت
اے جانِ تمنّا مجھ کو ستا کر مشقِ ستم کر جور و جفا
اغیار ہوس کے بندے ہیں کیا جانیں بھلا غم کی عظمت
جس حال میں ہیں ہم اچھے ہیں، کوشش نہ کرو بہلانے کی
ہم خوگرِ غم ہیں ہم چشمو! راس آئے گی کیا بزمِ عشرت
اُس شوخ کی دید سے اے ہمدم کیا جانیے شادی مرگ ہوں ہم
ہو دل کو تابِ وصل، نہ ہو جب لا نہ سکا تابِ فرقت
ہم نے اس باغِ دنیا میں تھے کیسے کیسے پھول چنے
اے خارِ خدا کی شان ہے اب تنکے چنواتی ہے وحشت



داغِ دل سوزِ محبت سے درخشاں ہوں گے — سینۂ تار میں یہ وجہِ چراغاں ہوں گے

حسن کی ہوشربائی کا جو عالم ہے یہی — بستیاں اجڑیں گی آباد بیاباں ہوں گے

یوں ہی روزافزوں ترقی پہ ہیں گر حسنِ شباب — اور کچھ روز میں وہ قاتلِ دوراں ہوں گے

پھر گلگشت جو نکلو گے تو گل ہوں گے نثار — ہم تو کیا بلبلِ گلشن بھی غزلخواں ہوں گے

دیکھ پائیں گے اگر شوخیٔ رفتار تیری — فتنۂ حشر بھی انگشت بدنداں ہوں گے

تاب لائے گا کرم کی نہ دلِ ایذا طلب — سہم قاتل پہ تیرے لطفِ فراواں ہوں گے

طبعِ نازک سے نہ اٹھ پائے گا بارِ احسان — مہرباں ہو گے تو ہم کشتۂ احساں ہوں گے

بے جھجک آکے بسو دل کے نہاں خانے میں — واقفِ راز فقط دیدۂ حیراں ہوں گے

آہ و فریاد و فغاں، رنج و الم اور تیری یاد — کون کہتا ہے کہ تنہا شبِ ہجراں ہوں گے

اور وحشت میں بھلا زور چلے گا کس پر — آپ اپنے ہی سے ہم دست و گریباں ہوں گے

خاکر معلوم نہ تھا ہم کو بتانِ کافر
دشمنِ دل ہی نہیں دشمنِ ایماں ہوں گے



سوزندہ میرا داغِ جگر بعدِ فنا ہے
یہ سروِ چراغاں میرے مرقد کا دیا ہے
ہاتھوں میں جو اُس شوخ نے مہندی کو رچایا ہے
کیا اور بجز خونِ شہیدانِ وفا ہے
اُس پیکرِ انداز کو کیا کہیے کہ کیا ہے
جادو ہے، چھلاوہ ہے، قیامت ہے، بلا ہے
یہ ظلم و ستم عہد سے پہلے ترے ظالم
دیکھا کبھی آنکھوں سے نہ کانوں سے سنا ہے
بیمارِ غمِ ہجر ہے، بے چارہ و بے کس
بالیں پہ نہ تم ہو، نہ دوا ہے، نہ دعا ہے
ہے رشکِ ارم فیضِ تصور سے میرا دل
کیا باغِ خیالِ گلِ عارض سے کھلا ہے
اے خارا اسے سینچ نہ تو خونِ جگر سے
یہ عشق کا پودا کبھی پھولا نہ پھلا ہے



مجھ کو اپنے سے بھی بیگانہ بنایا ہوتا
میرے مولا مجھے دیوانہ بنایا ہوتا

رُونما ہوتے نہ یہ دیر و حرم کے جھگڑے
بزمِ امکاں کو جو میخانہ بنایا ہوتا

سجدۂ اہلِ محبت کے لیے اک معبد
دیر و کعبہ سے جُدا گانہ بنایا ہوتا

حسرت و یاس کی دنیا ہے کہ دل ہے یارب
ایسی بستی سے تو ویرانہ بنایا ہوتا

اِسی حیلے سے قدم چُومتے ہم ساقی کے
کام کچھ لغزشِ مستانہ بنایا ہوتا

شمع رُو لُوٹتا میں گرمیٔ محفل کے مزے
حق نے گر مجھ کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

آبرو ضبطِ فغاں نے میری رکھ لی اے خاؔر
ورنہ آہوں نے اِک افسانہ بنایا ہوتا



تریں افسردہ دل پایا گیا ہوں
کسی محفل سے اٹھوایا گیا ہوں

قدم وہ چوم لوں دل چاہتا ہے
کہ جن قدموں سے ٹھکرایا گیا ہوں

وہ دیکھا چلتے ہیں رقصِ بسمل
تہِ خنجر میں تڑپایا گیا ہوں

جلا ہوں اُس کی ٹھنڈی گرمیوں سے
تپِ فرقت سے گرمایا گیا ہوں

قفس بھی اب میرا گھر ہو گیا ہے
ہزاروں مرتبہ آیا گیا ہوں

یہ حسرت ہے انھیں نظروں سے دیکھیں
کہ جن نظروں سے برمایا گیا ہوں

جہاں کل سانس لی تھی بیکلی ہوں
وہیں پھر آج بلوایا گیا ہوں



محبت میں لٹا کر دین و دل، یہ آبرو پائی
کوئی کہتا ہے دیوانہ، کوئی کہتا ہے سودائی

یہ فرزانوں کی دنیا، ایک دیوانوں کی دنیا ہے
جو پختہ کارِ الفت ہیں، انھیں کہتے ہیں سودائی

عیاں ہر برگ و گل سے ہے وہی جانِ بہار اپنا
یہ رنگ و بو کی دنیا ہے، اُسی کی بزم آرائی

اگر ان کی غلط انداز نظریں مجھ پہ پڑ جائیں
تو میرا بختِ خفتہ جاگ اٹھے لے کے انگڑائی

ہُوا خلوت سرائے دل میں اک ہنگامہ کیوں برپا
ہمیں بیٹھے بٹھائے آج پھر یہ کس کی یاد آئی

مرادیں جن کی بر آئی ہیں ایسے بھی ہیں دنیا میں
یہاں تو آرزوئے مرگ بھی اپنی نہ بر آئی

نہ جانے کیا کہیں اے خاکسار آہِ سرد کو میری
میرے نالے کو جو بیوقت کی کہتے ہیں شہنائی



کڑی جس پر پڑی ہو میری غم کی داستاں سمجھے
لگی ہو چوٹ جس دل پر میرا دردِ نہاں سمجھے

ہمیں بھولے ہیں چوکے کہ تجھ کو آشنا جانا
تجھے تسکین دل سمجھے، تجھے آرام جاں سمجھے

ہو اقربانِ شمعِ بزم کچھ اس طرح پروانہ
وہ اپنی داستاں سمجھے، ہم اپنی داستاں سمجھے

لٹے راہِ محبت میں دیا دل اس ستم گر کو
غلط سمجھے کہ رہزن کو امیرِ کارواں سمجھے

کریں نالہ تو ہل جائیں بنائیں بزمِ امکاں کی
نہ ہم کو دیکھ کر خاموش کوئی بے زباں سمجھے

کرم ہم تو سمجھتے ہیں تمہارے جورِ پیہم کو
وہ تھا شکرِ جفا تم جس کو فریاد و فغاں سمجھے

میرا ہر شعر اے خاکِ حزیں اک قصۂ غم ہے
دیا ہو جس نے دل وہ میرا اندازِ بیاں سمجھے



فریبِ وعدۂ روز شمار رہنے دے
کہ یارِ گُل کا کسے اعتبار رہنے دے
نویدِ موسمِ گُل دے نہ تو اسیروں کو
نہ چھیڑ اُن کو نسیمِ بہار رہنے دے
کرم نہیں نہ سہی، تو ستم ہی کر ہم پر
یہ راہ و رسم مگر برقرار رہنے دے
ہو چاک پیرہنِ زیست پنجۂ وحشت
تجھے قسم ہے اگر ایک تار رہنے دے
جو ذوقِ دید دیا ہے تو تابِ دید بھی دے
نقاب رخ سے اُلٹ ہوشیار رہنے دے
طبیب سوزنِ و مرہم کا کوئی کام نہیں
دل و جگر کو ہمارے فگار رہنے دے
میں آج یار کو اِن موتیوں میں تولوں گا
نہ روک خاں مجھے اشکبار رہنے دے



اللہ کی پناہ زمانہ شباب کا
اُس پر ستم پھر عشق سے خانہ خراب کا

لیجے اداؤں میں ہے اضافہ حجاب کا
یہ اور شاخسانہ لگایا نقاب کا

ہے یار کا دہن کہ ہے غنچہ گلاب کا
وہ دیدہ مد بھرا ہے کہ شیشہ شراب کا

واعظ جب ایک دن ہے مقرر حساب کا
کیوں ہے وظیفہ روز عذاب و ثواب کا

کر دے معاف داورِ محشر کہ دے سزا
کس کو یہاں دماغ سوال و جواب کا

مانگیں گے تم کو حوروں کے مجمع سے چھانٹ کر
موقع ملے گا خلد میں گر انتخاب کا

ناصح کسی کے مصحفِ رخ کو بُرا نہ کہہ
لازم ہے احترام مقدس کتاب کا

اغیار کی لگائی بجھائی میں آ گئے
آخر کوئی سبب تو بتاؤ عتاب کا

سن لو فغانِ عاشقِ ناشاد بھی کبھی
نغمہ تو روز سنتے ہو چنگ و رباب کا

تقدیرِ نارسا کا جو غم ہے سو ہے مگر
رونا ہے کچھ سوا نگہِ باریاب کا

کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کر
لکھا ہے خاؔر حال اُنہیں اضطراب کا



کافر جوانیاں ہیں اور اُن پہ مستیاں ہیں
ہیں قہقہے لبوں پر خورسند ہستیاں ہیں

آبادیاں کبھی تھیں ارمان و آرزو کی
سینے میں دل، جگر اب اُجڑی سی بستیاں ہیں

روٹھا ہُوا ہے ساقی سب ہیچ ہیں بہاریں
خواب و خیال اپنی بادہ پرستیاں ہیں

مرغِ چمن ہے نالاں ہے چاک پیرہنِ گل
بادِ بہار تیری یہ چیرہ دستیاں ہیں

دنیا ہے نام اِس کا دیکھا جدھر یہ دیکھا
نخوت پسندیاں ہیں مطلب پرستیاں ہیں

سیکھے کسی سے پیدا کیا خاک رسمِ الفت
ہیں تنگیاں دلوں میں نظروں میں پستیاں ہیں

شاعر ہوں خاکؔ شاعر میرے دماغ و دل میں
نازک مزاجیاں ہیں شاہد پرستیاں ہیں



حالِ زبوں ہوا آشکار کاش سنو فغانِ دل
یہ دمِ سرد و آہِ گرم ہیں میرے ترجمانِ دل

عرضِ نیاز لازمی عشق کو پاسِ تنگِ حسن
واہ طلسمِ چشمِ شوق بن گئی خود زبانِ دل

بخت کی سازگاریاں اُس کی وفا شعاریاں
ہائے وہ عہدِ کامراں، ہائے وہ عز و شانِ دل

اور ہی کچھ وہ طور تھا، مہر و وفا کا دور تھا
تھی وہ نگاہِ بے نیاز مشفق و مہربانِ دل

اب ہے یہاں دھرا ہی کیا حسرتِ و یاس کے سوا
دیکھ کے لیجیے گا کیا آپ میرا جہانِ دل

کیوں ہو کسی کو تیرا درد، ہے یہ امید ہی فضول
کس کی بلا کو ہے غرض، کون سنے بیانِ دل

رازِ و نیازِ حسن و عشق، قصۂ لطف و جورِ دوست
ایک جہانِ سوز و ساز خاک ہے داستانِ دل



اس جہاں میں مائلِ حسنِ بتاں کوئی نہ ہو
مبتلا اس روگ میں پیر و جواں کوئی نہ ہو

جب کہا تم سا عدوئے داستاں کوئی نہ ہو
ہنس کے بولے آپ سا بھی بدگماں کوئی نہ ہو

شمعِ سوزاں سے ہے کچھ گرمی ہمارے دم سے ہے
سرد ہو محفل اگر آتش بجاں کوئی نہ ہو

اس کے در سے اٹھ کے کیسے کیجئے تکمیلِ ذوق
قابلِ سجدہ دگر جب آستاں کوئی نہ ہو

سچ اگر پوچھو تو لطفِ کامرانی بھی نہیں
کوئی مشکل اور سعیِ رائیگاں کوئی نہ ہو

زندگی کیا گر نہ آئے زندگی میں لطفِ مرگ
کیا سکونِ دل جو دردِ جاوداں کوئی نہ ہو

چاہتے ہیں کافرانِ عشق وہ عالم کہ ہو
ہو کا عالم، شورِ ناقوس و اذاں کوئی نہ ہو

ہم گنہ گارِ محبت ہیں اسیرِ رنج و غم
کس جگہ جائیں کہ جب جائے اماں کوئی نہ ہو

میہماں ہو بھی تو کس کا میہماں مرغِ چمن
باغ جب جل جائے شاخِ آشیاں کوئی نہ ہو

کارواں ایسا اگر منزل پہ پہنچے ہے عجب
سب کو دعویٰ ہو امیرِ کارواں کوئی نہ ہو

کوئی پوچھے خاکؔ اب دلی میں کیا رکھا ہے کہ جب
ہم خیال و ہم مذاق و ہم زباں کوئی نہ ہو



معاذ اللہ دردِ عاشقی اتنا فزوں وہ بھی
ہوئے افسردہ خاطر دیکھ کر حالِ زبوں وہ بھی

فقط مرغِ چمن نالاں نہیں فصلِ بہاراں میں
گُلِ خنداں کو دیکھو ایک ہے شکلِ جنوں وہ بھی

یہ مانا شاہِ خوباں تجھ کو دشمن سے لگاوٹ ہے
برائی کیا ہے محفل میں تیری میں بھی رہوں وہ بھی

ہے ذوقِ میکشی تو خونِ دل بھر لے صراحی میں
ہے ہمرنگِ شرابِ ناب کیسا لالہ گوں وہ بھی

اِسی پر ناز تھا الفت کا سودا اِس کے برتے پر
مدارِ عاشقی پژمردہ دل یک قطرۂ خوں وہ بھی

یہ مانا عشق گو کچھ بھی نہیں ہے حسن کے آگے
قیاس آرائیِ دنیا کی حد سے ہے بروں وہ بھی

نہ پوچھو خاؔکسار کے دل کی کہیں جل بجھ گیا ہوگا
برنگِ شمعِ محفل کُشتۂ سوزِ دروں وہ بھی



نسبت سے تیری غیر بھی اپنا سا لگے ہے
یعنی غمِ دل اب غمِ دنیا سا لگے ہے

جلوہ ہمیں خود مانعِ جلوہ سا لگے ہے
یہ ذوقِ نظر آپ ہی پردہ سا لگے ہے

جب میں نے کہا وعدہ تو جھوٹا سا لگے ہے
بولے کہ تیرا عہد بھی دھوکا سا لگے ہے

تڑپائے گا اک دن تجھے بسمل کا تڑپنا
ظالم جو تجھے آج تماشا سا لگے ہے

جذبات کا طوفان ہے دامن میں سمیٹے
اشکِ سرِ مژگاں کہ جو قطرہ سا لگے ہے

انجامِ محبت کی ہمیں فکر ہے ہمدم
آغازِ محبت تو عجوبہ سا لگے ہے

غصہ میں نکھر آتے ہیں محبوبی کے انداز
وہ رُوئے دلآرام بھبھوکا سا لگے ہے

گھبرا کے کیا اُن سے جو اظہارِ محبت
بولے کہ میاں تم کو تو سودا سا لگے ہے

کیا حشر میں امید کریں دادِ وفا کی
محشر بھی تیرا وعدۂ فردا سا لگے ہے

ہمدم غمِ دوراں کا مداوا ہی سہی عشق
بے غم کے مگر عشق بھی پھیکا سا لگے ہے

کب خاؔر سے چھوٹا ہے طوافِ کوئے جاناں
اُس کو بھی نظر بازی کا چسکا سا لگے ہے



حضورِ دوست میں سروِ سمن کی آزمائش ہے
چمن میں نوجوانانِ چمن کی آزمائش ہے

وہ اُس نے زلف کھولی، ناز ہے تو سامنے آئے
حریمِ حسن میں مشکِ ختن کی آزمائش ہے

تمنا ہے کہ ہم کو رتبۂ منصور حاصل ہو
تیری زلفِ شکن اندر شکن کی آزمائش ہے

مسیحا تیرا کشتہ تیرے در پر جاں بلب آیا
لبِ جاں بخش کی سیبِ ذقن کی آزمائش ہے

اٹھا شورِ سلاسل در بنے دیوارِ زنداں میں
بہار آئی ہے پھر طوق و رسن کی آزمائش ہے

نہ جامہ کوئی راس آیا نہ گھر کی چار دیواری
ہُوا دیوانہ تو گور و کفن کی آزمائش ہے

انھیں جنگل میں منگل دیکھنا منظور ہے شاید
میرے جوشِ جنوں، دیوانہ پن کی آزمائش ہے

دماغ و دل پہ ہوتا ہے مسلط جذبۂ الفت
دماغ و دل ہی کیا یہ جان و تن کی آزمائش ہے

بت وعدہ شکن نوبت نہ آئے جگ ہنسائی کی
تیرے قول و قسم پاسِ سخن کی آزمائش ہے

اب اُس کی گردشیں یا اس کے نالے کام کرتے ہیں
دلِ پُر درد کی چرخِ کہن کی آزمائش ہے

جنابِ خار یہ ہے میر و مرزا کا وطن دلّی
یہاں ہر روز گویا اہلِ فن کی آزمائش ہے



محبت اک بلائے ناگہاں معلوم ہوتی ہے
زمینِ کوئے جاناں آسماں معلوم ہوتی ہے

ہمارے حالِ دل کی ترجماں معلوم ہوتی ہے
صدائے بلبلِ گلشن فغاں معلوم ہوتی ہے

ہر اک فردِ بشر کی داستاں معلوم ہوتی ہے
میری رُوداد، رُودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے

یہ رسمِ بیوفائی تھی جو رائج حسن والوں میں
خدا کی شان اب رسمِ جہاں معلوم ہوتی ہے

کوئی خنجر بکف مقتل میں، کوئی سر بکف آیا
لگی ہے بھیڑ عیدِ عاشقاں معلوم ہوتی ہے

پڑا ہے جب سے اس پتھر کے بت سے واسطہ اپنا
وفا بھی ایک سعیِ رائیگاں معلوم ہوتی ہے

گلی دلدار کی کون و مکاں سے ہو الگ جیسے
یہیں آغازِ حدِّ لامکاں معلوم ہوتی ہے

قیام اس دارِ فانی میں کسی شے کو نہیں ہوتا
مگر غم کی گھڑی تو جاوداں معلوم ہوتی ہے

بلس کر رہ نہ جائے یہ کہیں یارِ تغافل سے
کلی ویسے ہی دل کی نیم جاں معلوم ہوتی ہے

خدا جانے ہمارے آشیاں کا حشر کیا ہوگا
کہ بجلی پھر چمن پر مہرباں معلوم ہوتی ہے

بلا سے خاکِ سر جاتا ہے جائے، دردِ سر جائے
کہ اب تو زندگی بارِ گراں معلوم ہوتی ہے



بتِ ناآشنا ہر چند کھنچتا جائے ہے مجھ سے
مگر عہدِ وفا پھر بھی نہ توڑا جائے ہے مجھ سے

ہوئی مدت تکلّف درمیاں سے اٹھ گیا لیکن
سرِ محفل وہ کافر اب بھی شرما جائے ہے مجھ سے

اسے فرطِ محبت جان یا ترکِ وفا کہہ لے
کہ دامن صبر کا اے دوست چھوٹا جائے ہے مجھ سے

ہیں ماہرِ اہلِ دل الفت کسی سے کی نہیں جاتی
یہ ہو جاتی ہے ناصح کیوں الجھتا جائے ہے مجھ سے

کہاں تک پاسِ ننگِ حسن سے ضبطِ فغاں کیجے
دلِ وحشت زدہ کو اب نہ روکا جائے ہے مجھ سے

کوئی اتنا تو پوچھے ان طبیبوں سے، اقارب سے
کہ میرا حال آخر کیوں چھپایا جائے ہے مجھ سے

اسی کی دین ہے اس نے شعورِ عاشقی بخشا
وہ معبودِ محبت کب بھلایا جائے ہے مجھ سے

غمِ الفت سے اپنی چشم سیری ہو گئی ایسی
کہ اب دنیا کا کوئی غم نہ کھایا جائے ہے مجھ سے

انہیں منظور ہے خوشنودیِ خاطر اسیروں کی
ستم اب کون سا ڈھائیں یہ پوچھا جائے ہے مجھ سے

نہ جانے کون سا جذبہ درِ جاناں پہ لے آیا
نہ اُٹھا جائے ہے مجھ سے، نہ بیٹھا جائے ہے مجھ سے

مجھے جان تمنا رشکِ دشمن بھی گوارا ہے
یقیناً پر تجھے مضطر نہ دیکھا جائے ہے مجھ سے

کہاں کی رسم اب صاحب سلامت بھی نہیں باقی
کسی کا نازِ بے جا کب اٹھایا جائے ہے مجھ سے

کبھی گر اُس سے عرضِ مدعا کیجیے اشاروں میں
تو رنگِ رخ بدل جائے ہے کترا جائے ہے مجھ سے

تاسف حال پر میرے ہے یا کچھ اُس پہ گزری ہے
عدو بھی آج تو رو رو کے لپٹا جائے ہے مجھ سے

بتِ بیداد گر کو مدعی کو خاک کیا کہیے
کہ یہ کمبخت میرا دل ہی بدلا جائے ہے مجھ سے



ہم اُس سے ہو گئے مانوس زلفِ مشکبو ہم سے
اتارا جا سکے گا اب نہ یہ طوقِ گلو ہم سے

نظر میں آپ کی مانا کہ ہے بہتر عدو ہم سے
چلو یوں ہی سہی پھر کس لیے ہے دوبدو ہم سے

بھلا ایسی خطا کیا ہو گئی اے خوبرو ہم سے
کھنچا رہتا ہے آخر کیوں بُتِ بیگانہ خو ہم سے

بُتِ بیداد گر کی کلفتِ ہجراں کی باتیں کیوں
کرو اے ہم جلیسو! اور کوئی گفتگو ہم سے

منانی ہے اگر کوچہ میں آنے کی نہ آئیں گے
مگر چھوڑی نہ جائے گی تمہاری آرزو ہم سے

سرِ تسلیم ہم نے خم کیا، کی آستاں بوسی
تمہارے در کی ہے لاریب عظمت آبرو ہم سے

محبت ہم نے کی ہے ہم ہی خمیازہ اٹھائیں گے
نہ پوچھیں پوچھنے والے مآلِ جستجو ہم سے

ابھی تک شمع پروانے کے افسانے سنے ہوں گے
مگر اے شعلہ رُو، دیکھے نہ ہوں گے شعلہ خو ہم سے

ہماری زندگی کی ہر خوشی تو چھین لی تم نے
خدا کے واسطے چھینو نہ یہ جام و سبو ہم سے

کہاں کی دوستی ہے بیٹھ پیچھے غیر سے شکوہ
شکایت ہے اگر کوئی تو کیجے رُو بَرُو ہم سے

کہا ہے آرزومندوں سے زینت تیری محفل کی
تو فرمایا کہ ہے آباد بزمِ آرزُو ہم سے

بہاریں ہم نے دیکھی ہیں خزائیں ہم نے دیکھی ہیں
اگر ہو پوچھنا پوچھو مآلِ رنگ و بُو ہم سے

ہماری داستاں سن کر کہا کیا دشمنِ جاں نے
تکلف برطرف کہدے پیامی ہُو بہُو ہم سے

ادا و ناز سے ہم کو بنا کر اپنا دیوانہ
وہ کافر خود ہی کرتا ہے تقاضائے رفو ہم سے

جہاں استاد کے دلّی میں ہم ہی نام لیوا ہیں
جنابِ خار بیشک ہے غزل کی آبرو ہم سے



بہ فیضِ پیرِ مغاں خوشگوار گزری ہے — قدح بدست لبِ جوئبار گزری ہے
یہ کیسے کہیے کہ ناسازگار گزری ہے — بہ زیرِ سایۂ دیوارِ یار گزری ہے
وصال و ہجر میں کچھ بیشتر نہیں ہے فرق — تمام زیست بڑی بیقرار گزری ہے
کسی کے آنے سے یوں کھِل اُٹھی ہے دل کی کلی — چمن میں جیسے نسیمِ بہار گزری ہے
تجھے جو سیرِ چمن سے ذرا ملے فرصت — تو پوچھ وحشی سے کیسے بہار گزری ہے
ہے عشق قیدِ زمان و مکاں سے بالاتر — جنوں میں عمر سرِ رہ گزار گزری ہے
جو کوہِ طور پہ گزری تھی ایک بار کبھی — ہمارے دل پہ وہی بار بار گزری ہے
عجیب شے ہے محبت کہ اس کی چشمِ کرم — کبھی کبھی تو بڑی ناگوار گزری ہے
وہ پوچھتے ہیں سرِ بزم آج کیوں چپ ہو — ہماری بات کوئی ناگوار گزری ہے؟
وہ ایک بات جو اُن سے کہی تھی خلوت میں — "وہ بات اُن کو بہت ناگوار گزری ہے"

جنابِ خاکؔ یہ برکت ہے نام کی اپنے
کہ زیست نزدِ گلِ نوبہار گزری ہے



شدّتِ احساس اب دیوانہ پن تک آگئی
حیف تہمت اُس بُتِ وعدہ شکن تک آگئی

اوّل اوّل تو اُسے پاسِ حیا در پیش تھا
رفتہ رفتہ بات اب پاسِ سخن تک آگئی

کر رہے تھے شیخ جی حورانِ جنّت کا بیاں
بات بڑھ کر شاہدانِ گلبدن تک آگئی

وصلِ گل کے بلبلِ ناشاد کو لالے پڑے
کج ادائی نوجوانانِ چمن تک آگئی

بیوفائی کے گلے شکوے وہی رشکِ رقیب
یعنی اُلفت پھر روایاتِ کہن تک آگئی

کوہ و صحرا تک رہی محدود جو آغاز میں
بات وہ اتنی بڑھی، دار و رسن تک آگئی

وہ یہ کہتے ہیں تیری وحشت نے رسوا کر دیا
چاک دامانی غرض گل پیرہن تک آگئی

دستِ وحشت نے کھلائے گل یہ بعدِ مرگ
کیا قیامت ہے کہ اب نوبت کفن تک آگئی

اب خدا چاہے تو ہے قصہ ہے کوئی دن میں تمام
تلخیٔ دردِ نہاں کام و دہن تک آگئی

اُلٹا ہوتا ہے محبت میں دعاؤں کا اثر
خیر مانگی دل کی نوبت تن بدن تک آگئی

آتشِ گل، آتشِ رخسار، ہم معنی ہیں خارؔ
آگ بھڑکی تھی چمن میں انجمن تک آگئی



یہ بھی اعجاز ہے اُلفت کا سب منہ تکتے رہ جاتے ہیں
ہم ایک نظر میں باتیں کیا افسانے تک کہہ جاتے ہیں

اک جلوۂ دید کی خاطر ہیں، اُس کوچے کے ہیرے پھیرے
دیوانوں کا سا عالم ہے کہ آتے ہیں کہ جاتے ہیں

آنسو وہ گہر ہیں جن کی ہے بطنِ صدف میں ہی قیمت
سب اپنی آب گنواتے ہیں جب آنکھوں سے بہہ جاتے ہیں

جب یاد اُس فتنہ ساماں کی آتی ہے قیامت ڈھاتی ہے
بھر آتے ہیں آنکھوں میں آنسو، ہم تھام کے دل رہ جاتے ہیں

پہروں کمبخت نہیں تھمتی، لگتی ہے جھڑی جب اشکوں کی
سب صبر و تحمل کے دعوے اک ریلے میں بہہ جاتے ہیں

ایوانِ تصور میں کیا کیا بنتے ہیں حصولِ مطلب کے
اُس ایک نگاہِ قہر آگیں کے آگے سب ڈھ جاتے ہیں

کیا کیا نہ ستم ٹوٹے ہم پر اب کون سا جور نہیں ہوتا
ہم خاکِ وفا کے بندے ہیں جو پڑتی ہے سہہ جاتے ہیں



مائل بہ کرم ہے دوست اگر تو چرخِ ستم ایجاد نہیں
ہے وہ ہی غمِ دُوری ہم کو ایوائے ہم اب بھی شاد نہیں
کچھ یادِ گزشتہ دور کی ہے، دل میں موہوم کچھ امیدیں
یہ بستی کیسی بستی ہے، ویران نہیں آباد نہیں
ہو ضبطِ فغاں آخر کب تک ہو، شکرِ جفا آخر کب تک
دل آخر پھر دل ہی تو ہے، کچھ سنگ نہیں، فولاد نہیں
یوں تو ہر ایک ادا پر ہم سو جان سے صدقے ہوتے ہیں
کس بات پہ دل دے بیٹھے تھے اب اتنا ہم کو یاد نہیں
پابندِ رسومِ دہر نہیں، ہم جب سے اسیرِ زلف ہوئے
اک طرفہ تماشا ہے، یہ بھی آزاد ہیں اور آزاد نہیں
صیاد کے گھر میں آنکھ کھلی، اللہ رے اسیری کا عالم
گلشن کی بہاریں ایک طرف، بربادیٔ گلشن یاد نہیں
اُن کی بھی پسندِ خاطر ہیں، اشعار پسندیدہ تیرے
ہے خاؔر حیا شاید باعث جو چارہیں دیتے داد نہیں



دو ہم کو سزا عیب اگر ہم نے کیا ہے — مشہور تمھیں رشکِ قمر ہم نے کیا ہے
صرف اِن میں زِ بس سوزِ جگر ہم نے کیا ہے — برق آہ کو نالے کو شرر ہم نے کیا ہے
اٹھے کبھی، بیٹھے کبھی، تڑپے کبھی لوٹے — یوں شام جدائی کو سحر ہم نے کیا ہے
جس طرح گلستاں میں چلے بادِ بہاری — یوں کوچۂ جاناں میں گزر ہم نے کیا ہے
کب دیکھیں دلِ تنگ میں ہوتی ہے رسائی — اُس شوخ کی نظروں میں تو گھر ہم نے کیا ہے
اے ساقیٔ محفل تیرے الطافؔ کرم سے — صد شکر کہ توبہ سے حذر ہم نے کیا ہے
تھی آتشِ حسن آپ کی پہلے بھی جہاں سوز — بھڑکا کے مگر نوعِ دِگر ہم نے کیا ہے
تم طور کے موسیٰ کے بھلاوے میں نہ رہنا — آ جاؤ کہ سینے کو سپر ہم نے کیا ہے
یہ سحر کیا اُس کی نظر کو — اعجاز کیا زلف کو سر ہم نے کیا ہے
یوں دل میں سمویا ہے تیرے تیرِ نظر کو — یک جان و جگر شیر و شکر ہم نے کیا ہے

اے خادمؔ یہ اشعار نہیں نظم کیے ہیں
دل پہ یہ اسبابِ نظر ہم نے کیا ہے



بس کہ زل کی لگی سے ڈرتے ہیں
ہر گھڑی اُس گھڑی سے ڈرتے ہیں

شیخ تر دامنی سے ڈرتے ہیں
رند لب تشنگی سے ڈرتے ہیں

موت تو اک سکونِ پیہم ہے
ہم تو اِس زندگی سے ڈرتے ہیں

ہوں وہ آوارہ آہوانِ دشت
میری آوارگی سے ڈرتے ہیں

حسن کا ایک یہ بھی عالم ہے
لوگ کیوں برہمی سے ڈرتے ہیں

ڈر نہیں ہے تیری جفاؤں کا
ہم تیری بے رُخی سے ڈرتے ہیں

آپ کی دشمنی کی تاب کہاں
آپ کی دوستی سے ڈرتے ہیں

ایک شیطان کا تھا ڈر پہلے
اب تو ہر آدمی سے ڈرتے ہیں

جب سے دیکھا مآلِ خندۂ گُل
زیست کی ہر خوشی سے ڈرتے ہیں

کوئی بندہ نواز بھی تو ہو
ہم کہیں بندگی سے ڈرتے ہیں

یاد آتے ہیں چاند کے ٹکڑے
خاؔر ہم چاندنی سے ڈرتے ہیں

Khair Dehlvi